CamScanner

سلسلہ وار کہانی

ڈاکٹر واجبی

مسعود احمد برکاتی

معراج

اس مہینے سے ایک سلسلے وار کہانی شروع کی جا رہی ہے۔ یہ کہانی دل چسپ ہے، انوکھی ہے، حیرت انگیز ہے۔ اس میں جانور انسانوں کی طرح سوچتے، کام کرتے، لڑتے جھگڑتے، دوستی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس میں واقعات دل چسپ بھی ہیں اور سبق آموز بھی۔ اس کہانی میں جستجو بھی، ہم جوئی بھی اور عقل مندی بھی ہے۔ کہیں کہیں بعض وقت جانور انسانوں سے زیادہ عقل مندی کا ثبوت دیتے ہیں۔ وہ مشکلات سے گھبراتے نہیں۔ وہ مشکل وقت میں ایک دوسرے ہی کی ہمدردی نہیں کرتے بلکہ انسانوں کی مدد بھی کرتے ہیں۔ جانور احسان ماننے میں بھی انسان سے آگے ہی نظر آتے ہیں۔ جانور اور بھی بہت کچھ کرتے ہیں، ذرا پڑھیے۔

بہت دن گزرے۔ جب ہمارے اور آپ کے دادا ننھے منے بچے تھے۔ بُستان پور میں ایک ڈاکٹر رہتا تھا۔ اس کا نام تھا واجبی۔ وہ اپنے پیشے میں بہت ماہر تھا۔ بُستان پور کے سب چھوٹے بڑے اور امیر و غریب اسے اچھی طرح جانتے تھے۔ جب کبھی وہ کسی گلی کوچے سے گزرتا لوگ آداب عرض کرتے۔ ہر کوئی کہتا، دیکھو وہ جا رہے ہیں ڈاکٹر صاحب۔ یہ بہت سمجھ دار اور قابل ڈاکٹر ہیں اور تو اور گلی کے کتے بلیاں تک ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے ادب سے چلتیں۔ پہاڑی پر رہنے والے کوّے بھی کا کا کا۔ کائیں کائیں کرکے آداب بجا لاتے اور بہت دیر تک اس کے سر پر منڈلاتے رہتے تھے۔

ڈاکٹر واجبی جس مکان میں رہتا تھا، وہ بہت چھوٹا سا تھا، ہاں البتہ اس کا باغیچہ بہت بڑا تھا۔ اس میں پتھر کی کرسیاں اور میزیں پڑی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر کی بہن سائرہ گھر کی دیکھ بھال کرتی تھی، لیکن باغیچے کی دیکھ بھال ڈاکٹر واجبی خود کرتا تھا۔

ڈاکٹر واجبی جانوروں کا بہت شوقین تھا۔ اس نے بہت سے جانور پال رکھے تھے۔ تالاب میں طرح طرح کی رنگین مچھلیاں تھیں۔ باورچی خانے میں خرگوش پالے ہوئے تھے۔ پیانو کے اندر سفید چوہوں کا گھر بنا رکھا تھا۔ کپڑوں کی الماری میں گلہری کا گھونسلا تھا۔ تہ خانے پر چمگادڑوں نے قبضہ جما رکھا تھا۔ ان کے علاوہ گھر میں ایک گائے اور اس کا بچھڑا، ایک پچیس سالہ لنگڑا گھوڑا، کبوتر، دو بھیڑیں اور بہت سے دوسرے جانور بھی تھے، لیکن اس کے دل پسند جانور تین تھے: ڈبو کتا، مرزا تو تا بیگ اور ٹو ٹو اُلو تھے۔

ڈاکٹر واجبی کی بہن سائرہ دن بھر بڑبڑاتی رہتی کہ ان جانوروں نے گھر کا ستیاناس کر دیا ہے۔ گھر کا ہے کو ہے، اچھا خاصا چڑیا گھر نظر آتا ہے۔ جدھر دیکھو کوئی نہ کوئی جانور بیٹھا ہوا نظر آجائے گا۔

ایک دن ایک بڑھیا جوڑوں کے درد کی دوا لینے کے لیے آئی، وہ صوفے پر بیٹھ گئی، لیکن وہاں سیہ پہلے سے سو رہا تھا۔ بڑھیا نے ڈر کر چیخ ماری اور دوڑتی ہوئی باہر چلی گئی۔ پھر اس نے کبھی ڈاکٹر واجبی کے مطب کا رُخ نہیں کیا۔ وہ اب اپنے علاج کے لیے دس بارہ میل دور

CamScanner

طرب شاہ جاتی ہے۔

یہ رنگ ڈھنگ سائرہ کو کہاں گوارا تھے ؛ وہ ڈاکٹر کو سمجھانے لگی کہ ایک اچھے ڈاکٹر کے یہ طور طریقے نہیں ہوا کرتے۔ اگر گھر بھانت بھانت کے جانوروں سے بھرا ہوا ہو تو مریض یہاں کیوں آنے لگے ؛ تمہارے ان چہیتے جانوروں نے جو تھا مریض ڈرا کر بھگا دیا ہے۔ خان صاحب اور بی بی فضیلہ تو کہہ رہے تھے کہ وہ اب تمہارے مطب کے پاس سے بھی نہ گزریں گے۔ اگر تم روز بہ روز غریب ہوتے جا رہے ہو۔ اگر تمہارا یہی حال رہا تو شہر کے معزز آدمیوں میں سے کوئی بھی تم سے علاج نہ کروائے گا۔

ڈاکٹر واجبی بہت اطمینان سے بولا "شہر کے معزز آدمیوں سے میرے پالتو جانور بہتر ہیں"۔

"تم بالکل پاگل ہو گئے ہو"۔ سائرہ پاؤں پٹختی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

دن یوں ہی گزرتے گئے۔ جانوروں کی تعداد بڑھتی چلی گئی اور مریض کم ہوتے چلے گئے۔ آخر اس کا ایک ہی مریض رہ گیا۔ یہ مریض چڑیا گھر میں ملازم رہ چکا تھا۔ یہ خود بھی بہت غریب آدمی تھا۔ سال میں صرف عید الفطر پر بیمار پڑتا تھا، کیوں کہ اس دن بہت زیادہ کھانا کھانے کی وجہ سے بدہضمی کا شکار ہو جاتا تھا۔

آخر گھر کے سامان کی فروخت کی نوبت آ پہنچی۔ پہلے پیانو بکا۔ بچوں کے لیے اب میز کی دراز میں گھر بنا دیا گیا۔ پھر ڈاکٹر کے سوٹ بکے۔ ہوتے ہوتے ڈاکٹر کے پاس، مکان اور صرف کپڑے باقی رہ گئے۔ ڈاکٹر واجبی جب کبھی گلی کوچوں سے گزرتا تو لوگ افسوس سے ہاتھ ملتے اور آپس میں سرگوشیاں کرتے کہ وہ دیکھو ڈاکٹر واجبی چلا جا رہا ہے، کبھی یہ مانا ہوا قابل ڈاکٹر تھا۔ مگر اب اس کے پاس تن ڈھانپنے کے کپڑوں کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ کتے، بلیاں اور بچے اب بھی ڈاکٹر کے پیچھے بھاگتے ہیں اور کوّے اب بھی کا کا کا۔ کائیں کائیں کر کے آداب بجا لاتے ہیں، کیوں کہ انسان کی عظمت اس کے شان دار کپڑوں میں نہیں بلکہ اچھے اخلاق اور نیک اعمال میں پوشیدہ ہے۔

جانوروں کی بولی

ایک دن یوں ہوا کہ ڈاکٹر واجبی اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا اپنے ایک دوست سے باتیں کر رہا

تھا۔ دوست نے کہا: "ڈاکٹر صاحب، آپ لوگوں کا علاج کرنا بند کر دیجیے اور پورے طور سے جانوروں کے ڈاکٹر بن جائیے، کیوں کہ آپ جانوروں کے بارے میں بہت معلومات رکھتے ہیں۔ آپ نے جو کتاب پرندوں کے بارے میں لکھی ہے وہ واقعی لاجواب ہے۔ اسے پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ پرندوں کی ایک ایک بات سے واقف ہیں۔ میرا مشورہ تو یہی ہے کہ آپ جانوروں کے ڈاکٹر بن جائیے۔"

ڈاکٹر کے دوست کے جانے کے بعد مرزا توتا بیگ بولا: "ڈاکٹر صاحب، آپ اپنے دوست کا مشورہ مان لیجیے۔ ان بے مروّت انسانوں کا علاج کرنا ترک کر دیجیے اور ان کے بجائے مظلوم اور بے زبان جانوروں کی طرف توجہ دیجیے۔"

ڈاکٹر واجبی نے کہا: "دنیا میں بے شمار مویشیوں کے ڈاکٹر ہیں۔"

مرزا توتا بات کاٹ کر بولا: "ہاں ہیں تو سہی، لیکن ان میں سے ایک بھی کام کا نہیں ہے۔ وہ جانوروں کا دُکھ درد نہیں سمجھتے اور نہ ان کی نفسیات سے آگاہ ہیں۔ سنیے ڈاکٹر صاحب! میں آپ کو ایک انوکھی بات سُناتا ہوں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ جانور بھی آپس میں گفت گو کر سکتے ہیں؟"

ڈاکٹر واجبی نے کہا: "میں صرف یہ جانتا ہوں کہ توتے ہم انسانوں کی طرح بول سکتے ہیں۔ کسی حد تک کوّے اور چند خاص قسم کی چڑیاں بھی انسان کی نقل اُتار سکتی ہیں۔"

توتا بولا: "ہم دو طرح سے بات چیت کر سکتے ہیں۔ ایک تو انسانی بولی میں اور دوسری پرندوں کی بولی میں۔ مثلاً اگر میں کہوں کہ توتا بسکٹ کھا رہا ہے تو آپ فوراً سمجھ جائیں گے۔ لیکن اگر میں یوں کہوں کہ ناتا ناتی۔ فی تی تی۔ ناتی تاناں۔ تو آپ کیا سمجھے؟"

ڈاکٹر واجبی بولا: "اس کا کیا مطلب ہوا؟"

مرزا توتا بولا: "اس کا مطلب ہے کہ توتا بسکٹ کھا رہا ہے۔"

ڈاکٹر واجبی بولا: "یہ بات میرے لیے بالکل نئی ہے، لیکن یہ ہے بہت دل چسپ اور حیرت انگیز۔"

ڈاکٹر فوراً اندر سے ایک کاپی اور پنسل نکال کر لایا اور بولا: "اب تم مجھے پرندوں کی بولی کی بات سکھاؤ، لیکن ذرا آہستہ آہستہ بولنا۔"

وہ پہلا دن تھا کہ ڈاکٹر واجبی کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جانوروں کی بھی بولی ہوتی ہے۔ باہر

وان دھار بارش ہو رہی تھی، کمرے کے اندر ڈاکٹر اور مرزا توتا بیٹھے ہوئے تھے۔ آ... اسے
ندوں کی بولی سکھا رہا تھا۔ سہ پہر کے وقت ڈبو کمرے میں آیا تو توتا بولا "دیکھیے... آپ سے
تیں کر رہا ہے۔"

ڈاکٹر بولا "یہ تو صرف اپنا کان کھجا رہا ہے۔"

مرزا توتا بولا "جانور ہمیشہ اپنے منھ سے ہی نہیں بولتے، وہ بات کرتے وقت اپنے... نا منھ
ک، پنجوں اور دُم سے بھی کام لے سکتے ہیں۔ اب دیکھیے کتا اپنا ناک سکوڑ رہا ہے۔"

ڈاکٹر دا ہجی نے پوچھا "اب وہ کیا کہتا ہے؟"

مرزا توتا بولا "وہ اب یہ کہہ رہا ہے کہ کیا آپ کو پتا ہے کہ بارش رُک گئی ہے؟ وہ آپ سے
وال کر رہا ہے۔ کتے جب بھی کوئی بات پوچھتے ہیں تو اپنی ناک سکوڑتے ہیں۔"

ڈاکٹر نے مرزا توتا کی مدد سے جانوروں کی بولیاں سیکھنی شروع کر دیں اور تھوڑے ہی دنوں
ں وہ اتنا ماہر ہو گیا کہ نہ صرف جانوروں کی بولیاں سمجھنے لگا بلکہ ان کی زبان میں باتیں بھی کرنے
لگا۔ تب اس نے فیصلہ کیا کہ وہ انسانوں کا علاج معالجہ چھوڑ کر مستقل طور پر جانوروں کا ڈاکٹر

بن جائے گا۔

عینک والا گھوڑا

جب لوگوں کو ڈاکٹر واجبی کے اس فیصلے کا علم ہوا تو وہ اپنے اپنے جانور ڈاکٹر کے پاس علاج کے لیے لانے لگے۔

ایک دن ایک گھوڑا علاج کے لیے اس کے پاس لایا گیا۔ بے زبان جانور ڈاکٹر سے مل کر بے حد خوش ہوا۔ ڈاکٹر پہلا انسان تھا جو گھوڑوں کی بولی میں بات چیت کر سکتا تھا۔

گھوڑے نے کہا: "ڈاکٹر صاحب! آج کل مویشیوں کے ڈاکٹر بالکل کچھ نہیں جانتے۔ پہاڑ کا ڈنگر ڈاکٹر پچھلے ہفتے سے کبھی میرے حلق میں پچکاری ڈالتا ہے، کبھی کانوں میں دوا ٹپکاتا ہے، حال آنکہ میری دائیں آنکھ کم زور ہو گئی ہے اور مجھے چشمے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب! جب آپ انسان چشمہ پہن سکتے ہیں تو ہم حیوان کیوں نہیں پہن سکتے! اب وہ بے وقوف ڈاکٹر مجھے لمبی گولیاں، کیپسول اور مکسچر دیتا رہا۔ بس اسے سمجھاتا رہا کہ مجھے چشمے کی ضرورت ہے، لیکن اس کی سمجھ میں نہ آسکا۔"

ڈاکٹر واجبی نے پوچھا: "تمھیں کس قسم کا چشمہ چاہیے؟"

گھوڑے نے کہا: "سبز رنگ کا۔ بالکل ایسا ہی جیسا کہ آپ کا ہے۔ جب میں دھوپ میں کام کرتا ہوں تو دھوپ برداشت نہیں ہوتی اور میری آنکھیں دکھنے لگتی ہیں۔"

گھوڑے نے پھر کہا: "ڈاکٹر صاحب! مصیبت یہ ہے کہ ہر کوئی ڈنگر ڈاکٹر بن جاتا ہے، کیوں کہ ہم جانور کوئی شکایت تو کر ہی نہیں سکتے۔ اب میرے مالک کا لڑکا بھی اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ گھوڑوں کی رگ رگ سے واقف ہے۔ حال آنکہ وہ بالکل جاہل لٹھ ہے اور جانوروں سے اُسے ذرا بھی واقفیت نہیں ہے۔ اس نے پچھلے ہفتے مجھے اَلسی کا تیل پلانے کی کوشش کی۔"

"پھر کیا ہوا؟ کیا تم نے اَلسی کا تیل پی لیا؟" ڈاکٹر نے بے تابی سے پوچھا۔

گھوڑا بولا: "توبہ کیجیے صاحب! پہلے تو میں نے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی، لیکن جب اس کی عقل میں نہ آیا تو میں نے ایک لات جھاڑ دی۔ وہ بے وقوف فٹ بال کی طرح اُچھل کر تالاب میں جا گرا۔"

ہمدرد نونہال، ستمبر ۱۹۸۰ء

ڈاکٹر داجی نے پریشان ہو کر پوچھا "اسے زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟"

گھوڑا مسکرا کر بولا "چوٹ تو زیادہ نہیں آئی۔ البتہ اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی ہے، کندھا اتر گیا ہے اور پاؤں میں موچ آگئی ہے۔ پہاڑی والا ڈنگر ڈاکٹر اس کا علاج کر رہا ہے۔"

ڈاکٹر افسوس سے بولا "چچ چچ چچ۔ بے چارا غریب!"

ڈاکٹر داجی اسے تاریک کمرے میں لے گیا۔ وہاں ایک چارٹ لٹکا ہوا تھا جس پر اُلٹے سیدھے اور ترچھے نعل بنے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نے گھوڑے کے منھ پر ایک فریم باندھ دیا، پھر اس فریم میں مختلف عدسے رکھ رکھ کر گھوڑے سے چارٹ پڑھوایا۔ آخر اس نے گھوڑے کے لیے نمبر تجویز کر دیا۔

گھوڑے نے پوچھا "میری عینک کب تک تیار ہو جائے گی؟"

ڈاکٹر نے کہا "اگلے ہفتے تک۔ اچھا، خدا حافظ!"

ڈاکٹر داجی نے گھوڑے کے لیے عینک بنا دی۔ وہ گھوڑا اندھا ہونے سے بچ گیا۔ اب وہ عینک لگائے ہوئے پھرتا ہے۔ وہ دنیا کا پہلا جانور ہے جس نے عینک پہنی۔ جلد ہی یہ خبر

جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ بھانت بھانت کے جانور ڈاکٹر کے پاس علاج کے لیے آ
گئے۔ اب بستان پور میں ایسے جانوروں کی کمی نہیں جو پٹیاں لگائے گلی کوچوں میں گھومتے
ہوئے نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر داجی کے پاس بے شمار جانور علاج کے لیے آنے لگے۔ جب کسی جانور کو یہ معلوم ہوتا کہ ڈاکٹر داجی ان کی بولی سمجھ اور بول سکتا ہے تو وہ ڈاکٹر کو بتا دیتے کہ انھیں کہاں درد ہو رہا ہے اور اب وہ کیسا محسوس کر رہے ہیں، اور ڈاکٹر کے لیے ان کا علاج کرنے میں بھی سہولت ہوتی۔ جب کوئی مریض ٹھیک ہو کر واپس جاتا تو وہ اپنے دوستوں سے ذکر کرتا کہ بڑے باغیچے والے گھر میں ایک ایسا ڈاکٹر ہے جو واقعی ڈاکٹر ہے۔ جب بھی کوئی جانور بیمار ہوتا چاہے وہ گھوڑا بھینس گائے ہو، چوہا اور بلاؤ یا چمگادڑ ہو۔ وہ علاج کے لیے ڈاکٹر داجی کے گھر کا رخ کرتا۔ ڈاکٹر کا گھر بھی بھانت بھانت کے جانوروں سے بھرا رہتا۔ جانور اتنے زیادہ ہوتے تھے کہ ڈاکٹر نے ہر قسم کے جانوروں کے لیے علاحدہ علاحدہ کمرے مخصوص کر دیے۔ سامنے کے دروازے پر لکھ دیا "گھوڑے"، پچھلے دروازے پر "گائے"، باورچی خانے پر "بھیڑ اور بکریاں"، بیٹھک کے دروازے پر "پرندے"۔ یہاں تک کہ چوہوں کے لیے بھی ایک نالی بنی ہوئی تھی۔ سب جانور قطار میں بہت خاموشی سے بیٹھ جاتے اور صبر و سکون کے ساتھ اپنی باری آنے کا انتظار کرتے رہتے۔

چند سال کے عرصے میں دور و نزدیک ہر طرف ڈاکٹر داجی کی شہرت پھیل گئی۔ پرندے دور دور تک یہ اطلاع پہنچا کر آتے کہ پہاڑی کے نزدیک ایک ایسا ڈاکٹر ہے جو جانوروں کی بولی بول اور سمجھ سکتا ہے۔ ہوتے ہوتے دنیا بھر کے جانوروں میں ڈاکٹر داجی کی شہرت پھیل گئی۔

تمھاری عمر کیا ہو گی؟

ایک دن دوپہر ڈاکٹر داجی کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا، مرزا توتا کھڑکی میں بیٹھا باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ ڈاکٹر داجی نے پوچھا: "مرزا کیا بات ہے؟"

توتے نے کہا: "میں کچھ سوچ رہا تھا۔"

ڈاکٹر نے پوچھا: "وہ کیا؟"

مرزا توتا بولا: "میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ انسان بھی کتنے احمق ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو

کی عقل مند ترین مخلوق سمجھتے ہیں اور یہ سلسلہ ہزاروں سال سے یوں ہی چلا آرہا ہے۔ انسانوں کو جانوروں کی بولی بس اس حد تک آتی ہے کہ جب کتا دُم ہلاتا ہے تو وہ سمجھ لیتے ہیں کہ کتا خوش ہے، اور جب وہ غُرّاتا ہے تو ناراض ہے۔ جب لوگ جانوروں کو بے زبان کہتے ہیں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔ ایک پہاڑی توتا میرا دوست تھا۔ وہ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی زبانوں کا ماہر تھا۔ ایک پروفیسر نے اسے خرید لیا، لیکن پہاڑی توتا زیادہ عرصے پروفیسر کے پاس نہیں ٹھیرا۔ پروفیسر غلط سلط عربی بولتا تھا اور توتا یہ برداشت نہیں کر سکا۔ ایک پہاڑی کوا کوئی آواز نکالے بغیر سات طریقے سے "السلام علیکم" کہہ سکتا تھا۔ پرندے انسانوں سے زیادہ موسمی حالات جانتے ہیں۔ پرندوں کے مقابلے میں انسانوں کی جغرافیائی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔"

ڈاکٹر واجبی مسکرا کر بولا: "تم بہت عقل مند اور جہاں دیدہ ہو۔ بھلا تمھاری عمر کیا ہوگی؟ میں نے سُنا ہے کہ توتے اور ہاتھی بہت طویل عمریں پاتے ہیں۔"

توتا قہقہہ لگا کر بولا: "آپ نے بالکل ٹھیک سُنا ہے۔ مجھے اپنی عمر کا خود بھی اندازہ نہیں۔ جب میں ہندستان میں آیا تو یہاں جنگِ آزادی لڑی جا رہی تھی۔ خدا کی پناہ کیسا خوف ناک نظارہ تھا۔ بے چارے مسلمانوں پر جو مظالم توڑے گئے اُس کی یاد سے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ شہنشاہِ ہند بہادر شاہ کو جب اس کے پوتوں کے سر طشتری میں رکھ کر پیش کیے گئے تو میں روشن دان سے دیکھ رہا تھا۔ اس باہمت شہنشاہ نے کہا: "مجھے تیمور کی اولاد سے یہی اُمید تھی۔" یہ کہہ کر توتا خاموش ہو گیا۔ خود ڈاکٹر واجبی پر بھی رقت طاری ہو گئی۔

(جاری ہے)

قرآنی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

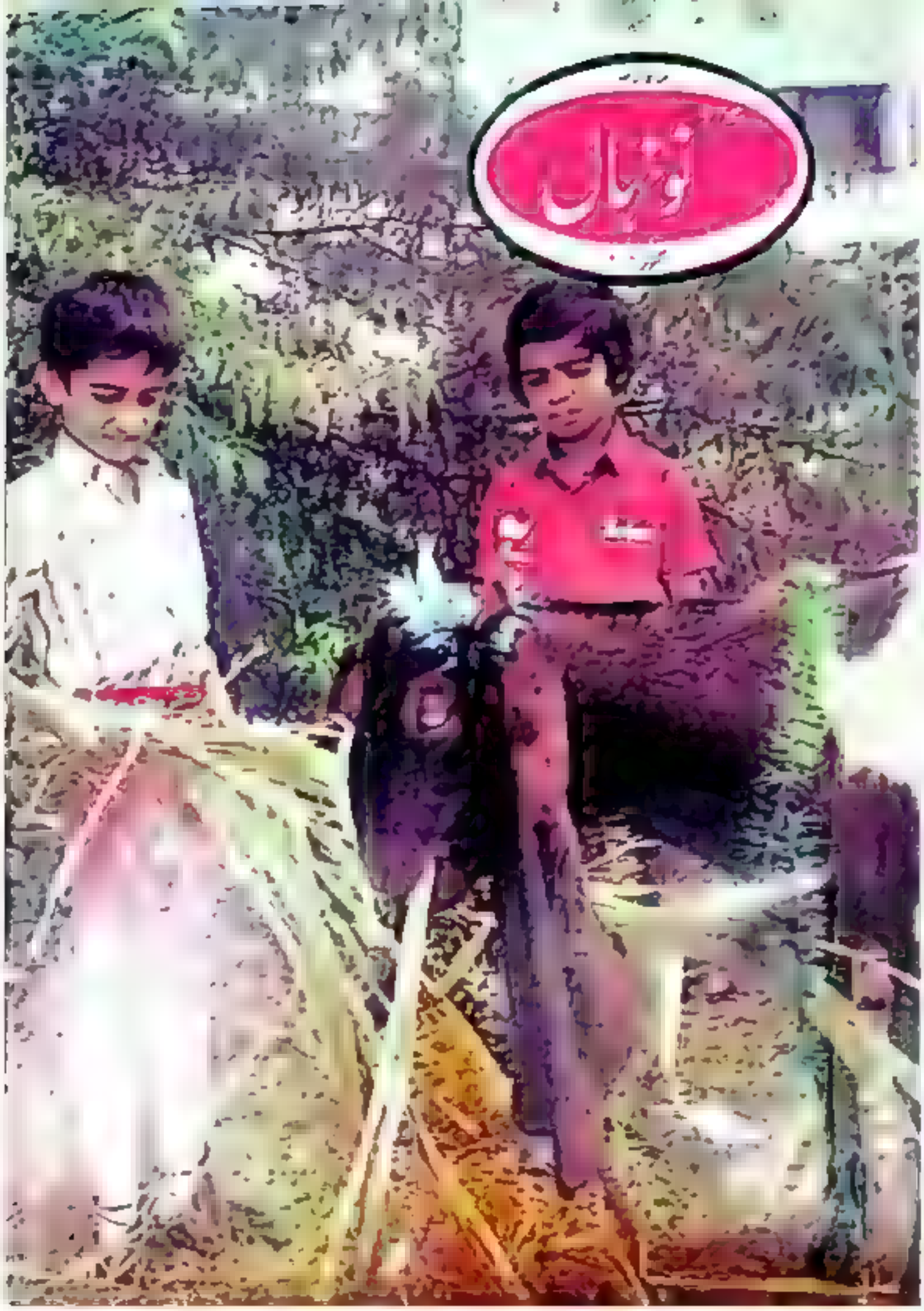

CamScanner

سلسلے وار کہانی

دوسری قسط

ڈاکٹر واجبی

معراج

پیچو بندر اور معصوم مگرمچھ

اب ڈاکٹر واجبی پھر کچھ کمانے لگا۔ اس کی بہن سائرہ کے نئے کپڑے سلوائے اور وہ ہنسی خوشی رہنے لگے۔

کچھ جانور جو علاج کی غرض سے آتے وہ اتنے بیمار اور کمزور ہوتے کہ وہ ڈاکٹر واجبی کے گھر ہفتہ دس دن تک پڑے رہتے۔ جب وہ ذرا ٹھیک ہو جاتے تو باغیچے میں کرسیوں پر بیٹھ جاتے۔ اکثر یوں ہوتا کہ جب یہ مریض ٹھیک ہو جاتے تب بھی وہاں ٹھیرے رہتے کیوں کہ

ڈاکٹر انھیں اتنا پسند آتا کہ وہ اسے دل و جان سے چاہنے لگتے۔ ڈاکٹر واجبی بھی ایسا نیک دل تھا کہ ان کے رہنے کا بُرا نہ مانتا۔ یوں اس کے پالتو جانوروں کی تعداد بڑھتی ہی چلی گئی۔

ایک دن جب ڈاکٹر اپنے باغیچے میں بیٹھا پانی پی رہا تھا، ایک مداری اپنے بندر کو علاج کے لیے لایا۔ ڈاکٹر نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ بندر کے گلے میں پڑا ہوا پٹا بہت تنگ ہے۔ بندر بہت ناخوش ہے۔ ڈاکٹر نے مداری سے وہ بندر لے لیا، اس کے ہاتھ پر ایک روپیہ رکھ کر کہا: "جاؤ میاں!"

بندر والا چڑچڑا ہو کر بولا: "میں بندر بیچنے کے لیے نہیں لایا ہوں۔ سیدھی طرح میرا بندر مجھے واپس لوٹا دو!"

ڈاکٹر واجبی جھنجھلا کر بولا: "تم چپ چاپ چلے جاؤ ورنہ میں تمھاری وہ پٹائی کروں گا کہ تم بھاگتے نظر آؤ گے!"

بندر والے نے ذرا اکڑفوں دکھائی ہی تھی کہ بندر اس پر جھپٹا۔ بندر والا ایسا بھاگا کہ اس نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

گھر کے جانوروں میں ایک اور کا اضافہ ہو گیا۔ سب جانور اس کے آنے سے بے حد خوش ہوئے۔ جانوروں نے اس بندر کا نام چیچو رکھا۔ اس کا مطلب جانوروں کی بولی میں ہے ادرک یعنی بندر کیا جانے ادرک کا مزہ۔

کچھ دنوں بعد بستان پور میں ایک سرکس آیا۔ سرکس میں ایک مگرمچھ تھا۔ اس کے دانت میں شدید درد ہو رہا تھا۔ وہ رات کے وقت سرکس سے نکل بھاگا اور سیدھا ڈاکٹر واجبی کے پاس پہنچا۔ ڈاکٹر نے دوا لگائی اور مگرمچھ کے دانت کا درد دور ہو گیا۔ جب مگرمچھ نے یہ صاف ستھرا گھر دیکھا تو اسے یہ جگہ بہت پسند آئی۔ اس نے ڈاکٹر سے کہا: "اگر آپ اجازت دیں تو میں مچھلیوں کے تالاب میں بسیرا کر لوں؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں مچھلیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا!"

ڈاکٹر واجبی نے اجازت دے دی۔ مگرمچھ بھی وہاں رہنے لگا۔ جب سرکس والے مگرمچھ کو ڈھونڈتے ہوئے ڈاکٹر واجبی کے گھر پہنچے تو مگرمچھ منھ پھاڑ کر ان کی طرف لپکا۔ وہ وہاں

بے حواس ہو کر بھاگے۔ مگر مچھ بھی ڈاکٹر کے گھر میں رہنے لگا، لیکن اس نے کسی کو بتایا نہ تنگ کیا۔ وہ مرغی کے چوزوں کی طرح معصوم اور بے ضرر بنا رہا۔

مگر مچھ کی موجودگی سے عورتیں اور بچے ڈرنے لگے۔ کسانوں کو بھی مگر مچھ پر کوئی بھروسا نہیں تھا۔ آخر ڈاکٹر نے مجبور ہو کر مگر مچھ سے کہا کہ تم واپس سرکس میں چلے جاؤ۔

مگر مچھ کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بہنے لگے۔ اس نے بہت عاجزی سے درخواست کی کہ اسے وہاں رہنے کی اجازت دی جائے۔ ڈاکٹر کا دل پسیج گیا۔ اس نے مگر مچھ کو رہنے کی اجازت دے دی۔

ڈاکٹر داجبی کی بہن کو جب یہ اطلاع ملی تو وہ سخت ناراض ہوئی۔ اس نے کہا: "داجبی! تم اس منحوس کو فوراً یہاں سے دفعان کر دو۔ اب کسان اور بوڑھی عورتیں یہاں آنے سے گھبرانے لگی ہیں۔ جب ہمارے دن پھرنے لگے تھے تو یہ منحوس آن ٹپکا۔ اب ہماری مکمل تباہی میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اس گھر میں یا تو یہ گھڑیال رہے گا یا پھر میں۔"

ڈاکٹر داجبی نے ہنس کر کہا: "او ہو بہن، تمھیں تو گھڑیال اور مگر مچھ کا فرق بھی معلوم نہیں۔ پیاری بہن، یہ مگر مچھ ہے!"

سارہ جھنجھلا کر بولی: "میں اس موذی کو گھر سے نکال کر رہوں گی!"

ڈاکٹر نے سنجیدگی سے کہا: "اس نے وعدہ کیا ہے کہ کسی کو گزند نہیں پہنچائے گا۔ یہ دوبارہ سرکس میں جانا نہیں چاہتا۔ ادھر میری مالی حالت بھی ایسی نہیں ہے کہ میں اسے افریقہ میں (جہاں سے یہ آیا ہے) واپس بھیج سکوں۔ یہ غریب اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔ اس نے اب تک بہت شرافت کا ثبوت دیا ہے، اس لیے میری پیاری بہن، تم کوئی گڑبڑ نہ کرو۔"

سارہ بھنا کر بولی: "ارے گڑبڑ میں کر رہی ہوں یا تمھارا یہ چہیتا مگر مچھ؟ میں صاف صاف کہے دیتی ہوں کہ اگر تم نے اسے گھر سے نکال باہر نہ کیا تو میں خود گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی اور کسی نیک مرد سے شادی کر لوں گی۔"

ڈاکٹر داجبی قہقہہ لگا کر بولا: "بالکل ٹھیک بالکل ٹھیک۔ جاؤ شادی کر کے اپنا گھر بساؤ۔ لیکن خدا کے لیے اس مگر مچھ کو گھر سے نکالنے کی بات زبان پر نہ لاؤ۔ مجھے بہت کوفت

ہوتی ہے۔"

سائرہ نے اپنا سامان باندھا اور گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ ڈاکٹر داجبی اپنے جانوروں سمیت اکیلا رہ گیا۔

جب اتنے بہت سے کھانے والے ہوں اور کمانے والا کوئی ہاتھ نہ ہو تو کیا حشر ہو گا؟ نہ قسائی کا بل ادا کرنے کو پیسے رہے اور نہ دودھ والے کا۔ سب لوگوں نے ڈاکٹر داجبی کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ ہر روز کہتا "رُپیا پیسا سب فساد کی جڑ ہے۔ اگر دنیا میں رُپیا ایجاد نہ ہوتا تو سب لوگ ہنسی خوشی زندگی بسر کرتے۔ جب تک ہم ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے ہیں رُپے پیسے کی ہمیں کوئی نہ فکر ہے اور نہ پروا۔"

رفتہ رفتہ جانوروں کو بھی فکر ہونے لگی۔ ایک دن جب ڈاکٹر داجبی سو رہا تھا، جانور سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے۔ ٹُو ٹُو اُلّو حساب کتاب کا ماہر تھا، اس نے بتایا کہ اتنی تھوڑی سی رقم باقی رہ گئی ہے کہ مشکل سے ایک ہفتے کا گزارا ہو سکے گا۔ توتے نے تجویز پیش کی، "میرے خیال میں ہمیں گھر کا سارا کام کاج خود ہی کرنا چاہیے۔ اتنا تو ہم ڈاکٹر کے لیے کر سکتے ہیں۔ آخر ہماری ہی وجہ سے وہ بالکل تنہائی اور غربت کی زندگی گزار رہا ہے۔"

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ ہنسو کھانا پکائے گا، کتا فرش صاف کرے گا، بی قیں قیں جھاڑ پونچھ کرے گی، اُلّو گھر کا حساب کتاب سنبھالے گا، دُنبہ کھیتی باڑی کرے گا اور توتا بیگ کپڑے دھوئے گا۔

شروع شروع میں انھیں کام کرنا بے حد مشکل معلوم ہوا۔ آخر وہ عادی ہو گئے اور انھیں گھر کا کام کرنے میں لطف آنے لگا۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ اتنی تندہی سے کام کاج کرنے لگے کہ ڈاکٹر داجبی بھی مان گیا اور اسے کہنا پڑا کہ اس سے پہلے اس کا گھر کبھی اتنا صاف ستھرا نہیں رہا تھا۔ کچھ دنوں تک حالات یوں ہی چلتے رہے، لیکن رُپے پیسے کے بغیر گزار کرنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔ چناں چہ جانوروں نے ایک سبزیوں، پھلوں اور پھولوں کا اسٹال لگایا، لیکن اب بھی ان کی اتنی آمدنی نہیں ہوتی تھی کہ وہ سب کا بل چکا سکتے۔ ایک دن توتا بیگ نے آکر اطلاع دی کہ اب پھلی والا ہمیں پھلی اُدھار نہیں دے گا۔

ہمدرد نونہال، اکتوبر ۱۹۸۲ء

ڈاکٹر دواجبی نے کہا: "کوئی فکر نہیں۔ ابھی مرغیاں انڈے دے رہی ہیں۔ گائے دودھ دے رہی ہے۔ باغیچے میں بہت کافی سبزی موجود ہے۔ ابھی سردیاں دُور ہیں۔ فکر و پریشانی کی کوئی بات نہیں۔"

لیکن بدقسمتی نے یہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔ سردی وقت سے پہلے پڑنے لگی اور برف باری ہونے لگی۔ زیادہ تر سبزی تو وہ کھا چکے تھے۔ باقی ماندہ سبزی پر برف نے چادر چڑھا دی اور جانور اب سچ مچ فاقے کرنے لگے۔

ابابیل کا پیغام اور افریقہ کو روانگی

دسمبر کی ایک سرد رات تھی۔ سب جانور آتش دان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر دواجبی انھیں جانوروں کی بولی میں ایک دل چسپ کہانی سنا رہے تھے۔ [illegible] "شش، ذرا سننا! باہر کیسا شور ہو رہا ہے۔"

سب لوگ کان لگا کر سننے لگے۔ جلد ہی انھوں نے باہر کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنی۔ دروازہ بہت زور سے کھلا اور چیچو اندر داخل ہوا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور منھ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اس نے کہا: "ڈاکٹر دواجبی! مجھے ابھی ابھی [illegible] کا پیغام موصول ہوا ہے۔ افریقہ میں بیماری پھیلی ہوئی ہے۔ وہاں بندر سینکڑوں کی تعداد میں مر رہے ہیں۔ انھوں نے آپ کی شہرت سنی ہے۔ چناں چہ انھوں نے درخواست کی ہے کہ آپ جلد افریقہ پہنچیے اور انھیں اس مصیبت سے نجات دلائیے۔"

"یہ پیغام کون لایا ہے؟" ڈاکٹر دواجبی نے اپنی عینک ٹھیک کرتے ہوئے پوچھا۔

چیچو نے کہا: "ایک ابابیل یہ پیغام لائی ہے۔ وہ ابھی تک باہر انگیٹھی پر بیٹھی ہوئی ہے۔"

ڈاکٹر پریشان ہو کر بولا: "اسے فوراً اندر لے آؤ، ورنہ وہ سردی میں ٹھٹھر کر مر جائے گی۔ پچھلے ہفتے پہلے سب ابابیلیں جنوب کی طرف پرواز کر چکی ہیں۔"

ابابیل اندر لائی گئی۔ وہ بھوک پیاس سے نڈھال ہو رہی تھی اور سردی سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ پہلے پہل تو وہ کچھ سہمی سہمی سی رہی۔ کچھ دیر بعد جب اس کا جسم کچھ گرم

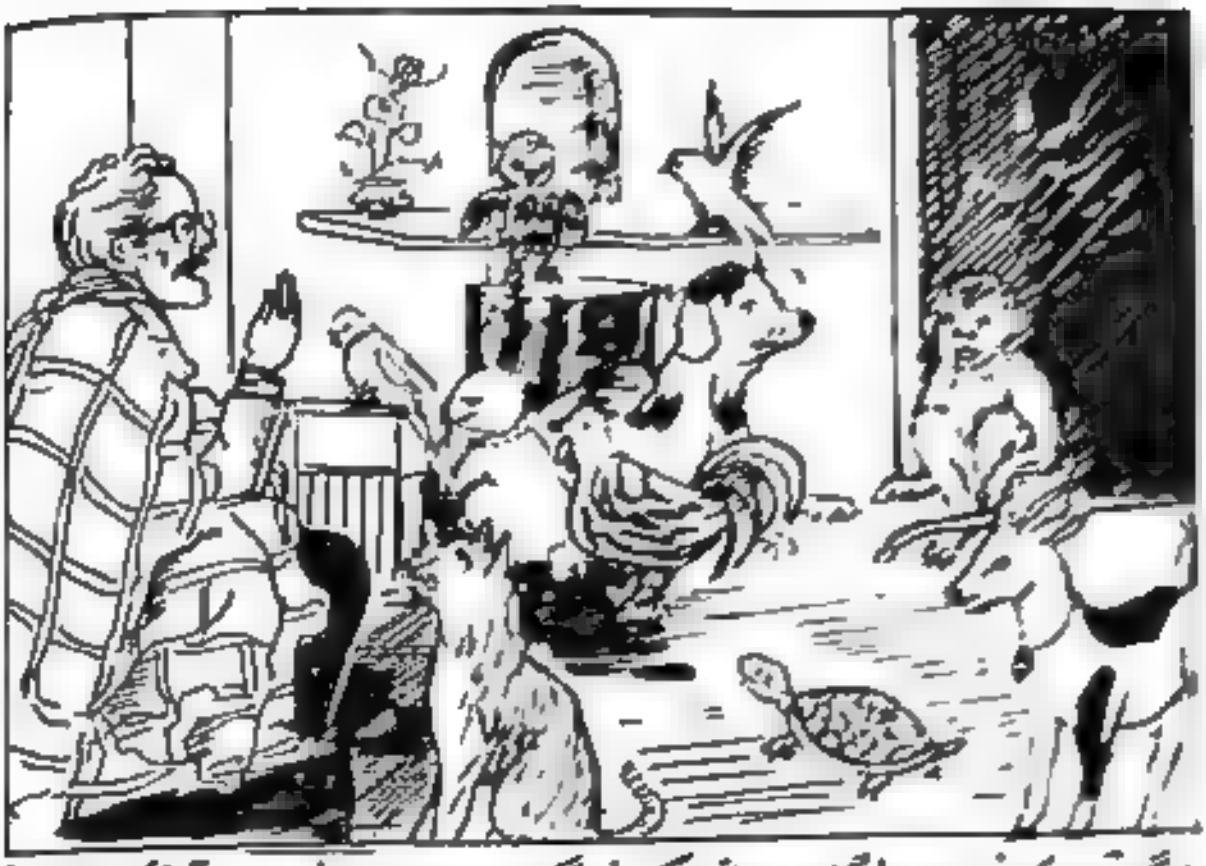

بیٹھ گئے تو وہ کارنس پر بیٹھ گئی اور باتیں کرنے لگی۔ جب وہ خاموش ہوئی تو ڈاکٹر دواجبی نے کہا: "مجھے افریقہ جا کر بے حد خوشی ہوتی، لیکن مشکل یہ ہے کہ میرے پاس ٹکٹ خریدنے کے لیے معقول رقم موجود نہیں ہے۔ چیچو، ذرا وہ رُپوں کی صندوقچی مجھے دینا۔"

چیچو نے الماری کے اوپر چڑھ کر صندوقچی اُتاری۔ ڈاکٹر نے صندوقچی کھول کر دیکھی۔ وہ بالکل خالی تھی۔ اس میں ایک پیسا تک نہیں تھا۔ ڈاکٹر پریشانی سے سر کھجا کر بولا: "میرا خیال تھا کہ اس میں دو روپے موجود ہوں گے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں کل صبح بندرگاہ پر جاؤں گا اور کوشش کروں گا کہ کسی سے کشتی اُدھار مانگ لوں۔ ایک ملاح میرا جاننے والا ہے۔ میرے علاج سے اس کا بچہ صحت یاب ہو گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے بادبانی جہاز دینے پر رضا مند ہو جائے۔"

اگلے دن صبح سویرے ڈاکٹر دواجبی ساحل پر پہنچا۔ جب وہ واپس لوٹا تو اس نے یہ خوش خبری سنائی کہ کام بن گیا ہے اور ملاح اپنا جہاز ہمیں دینے پر رضا مند ہو گیا ہے۔ اس خبر پر سب کو مزا آیا، مگرمچھ اور چیچو بے حد خوش ہوئے، کیوں کہ بہت مدت کے بعد وہ اپنے وطن کو واپس جا رہے تھے۔

"ہیں صرف قیں قیں، ٹو ٹو اور ایک دو دو جانوروں کو ساتھ [illegible] باقی جانوروں کو اپنے اپنے گھر واپس جانا ہو گا۔ وہاں سردیاں شروع ہو چکی ہیں [illegible] میں گزر جائے گا۔ ویسے بھی افریقہ جانا ان کے لیے مناسب نہیں ہے" [illegible] نے کہا۔

مرزا توتا جو بہت سیر و سیاحت کر چکا تھا، ڈاکٹر کو بتانے لگا [illegible] کی ضرورت پیش آئے گی۔ اس نے کہا: "اپنے ساتھ خوراک کا کافی [illegible] گوشت، تازہ اور صاف پانی پینے کے لیے اور ایک لنگر۔"

ڈاکٹر نے پوچھا: "وہ کس لیے؟"

توتا بولا: "لنگر کے بغیر آپ کشتی روک نہیں سکتے۔ اس کے علاوہ ایک [illegible] چاہیے۔ سمندری سفر میں اس کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔"

ڈاکٹر دواجی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا: "ہر دفعہ روپے کی کمی کا مسئلہ۔ میں جا کر پنساری سے پوچھتا ہوں۔ شاید وہ مجھے اُدھار دے دے۔"

ڈاکٹر نے ملاح کو پنساری کے پاس بھیجا۔ خوش قسمتی سے وہ اُدھار دینے پر رضامند ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ملاح ضرورت کی تمام چیزیں ان کے لیے خرید کر لے آیا۔ باقی جانور اپنا بستر سمیٹ کر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے۔ ڈاکٹر دواجی نے گھر کی کھڑکیاں اور دروازے بند کیے۔ سامنے کے دروازے میں تالا لگا کر چابیاں لنگڑے گھوڑے کو دے دیں۔ [illegible] کے لیے اصطبل میں کافی مقدار میں بھوسا اور خشک گھاس رکھ دی تاکہ سردی کے موسم میں اس کا گزارا ہو جائے۔ پھر ڈاکٹر دواجی اپنا سامان ساحلِ سمندر پر لے گیا اور اسے چھوٹے سے بحری جہاز میں رکھنے لگا۔

ڈاکٹر دواجی کو خدا حافظ کہنے کے لیے ملاح اور ڈاکٹر کا دوست ساحل پر موجود تھے۔ جہاز چلنے لگا تو ان دونوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر خدا حافظ کہا۔ ڈاکٹر نے بھی ان کے جواب میں ہاتھ ہلا ہلا کر الوداع کہی۔

دوپہر کا وقت خوش گپیوں میں گزر گیا۔ شام کے وقت بلی لٹل کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں۔ ڈبو اور قیں قیں بستر تلاش کرنے لگے۔ مرزا توتا انھیں ایک الماری کے پاس لے

CamScanner

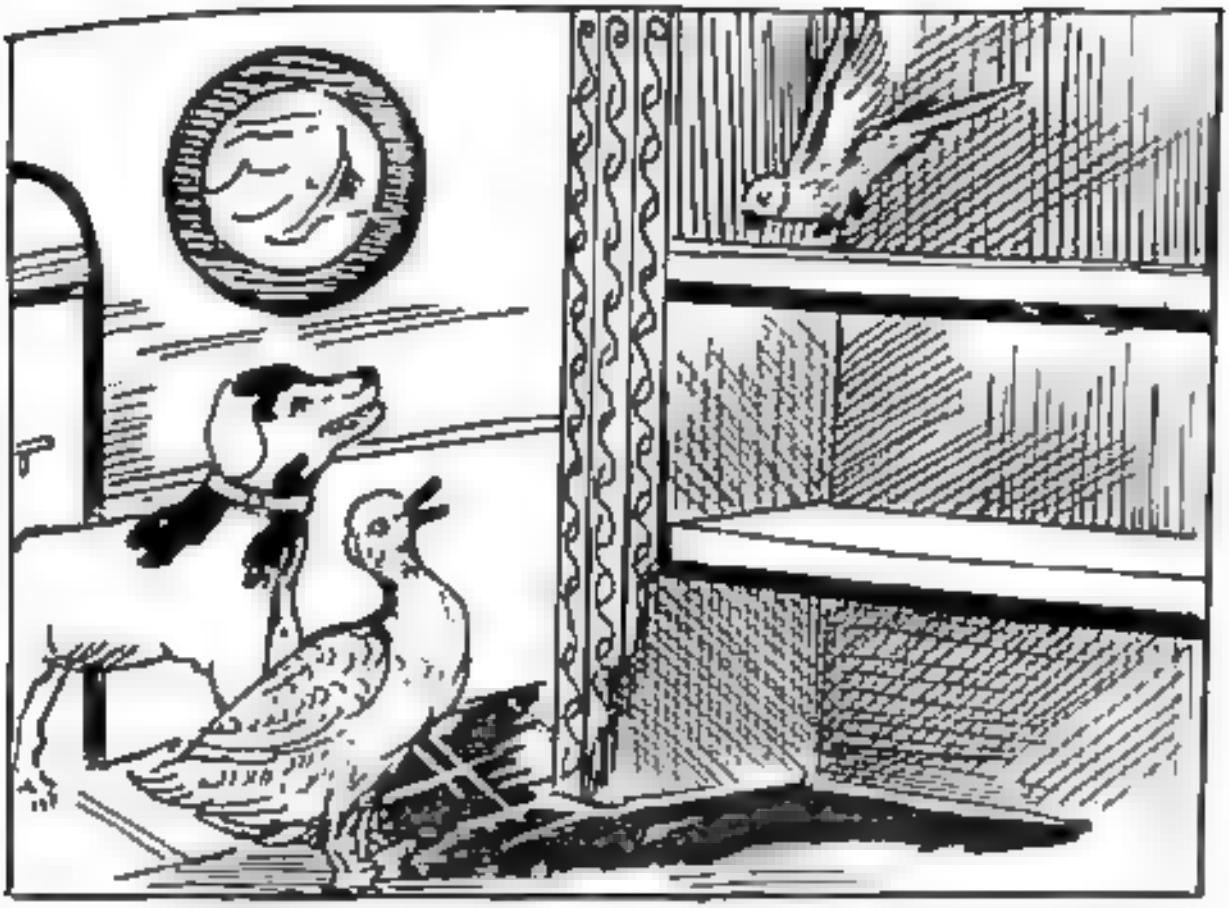

جا کر بولا۔ "یہاں آرام فرمایئے۔"

"اُوئی یہ کیسا پلنگ ہے؟" قیں قیں حیران ہو کر بولی۔

مرزا تو تا ہنس کر بولا۔ "محترمہ بحری جہازوں میں اسی طرح کے پلنگ ہوتے ہیں۔ اب آپ ایک خانے میں دُبک کر خواب خرگوش کے مزے لوٹیے۔"

قیں قیں جھنجھلا کر بولی۔ "اس نگوڑے بستر کو دیکھ کر میری نیند اُڑ گئی ہے۔ اب میں اُوپر جا کر سمندر کا نظارہ کروں گی۔"

وہ تینوں عرشے پر پہنچے۔ وہاں ڈاکٹر داجبی ملاحوں کی طرح زور زور سے گا رہا تھا۔

ھیا ھیا۔ ہو۔ ھیا ھیا
ھیا ھیا۔ ہو۔ ھیا ھیا

وہ بھی ڈاکٹر کے ساتھ آواز ملا کر گانے لگے:

ھیا ھیا۔ ہو۔ ھیا ھیا
ھیا ھیا۔ ہو۔ ھیا ھیا

جہاز کی تباہی

سفر چھے ہفتے تک جاری رہا۔ ابابیل ان کی رہنمائی کرنے کے لیے جہاز کے آگے آگے اڑتی رہی۔ رات کے وقت وہ ایک چھوٹی سی لالٹین اپنی چونچ میں پکڑ لیتی تاکہ جہاز اندھیرے میں اِدھر اُدھر نہ بھٹک جائے۔ جوں جوں وہ افریقہ کے نزدیک ہوتے گئے موسم گرم ہوتا گیا۔ مرزا توتا، چیچو بندر اور مگرمچھ تو اس گرم موسم سے بے حد لطف اندوز ہو رہے تھے۔ لُوٹو اُلّو اور ڈبو کتا اس موسم کو سخت ناپسند کر رہے تھے۔ وہ دن بھر کسی سایہ دار جگہ میں چھپے ہوئے آرام کرتے رہے۔ بی لبلخ کو جب گرمی لگتی وہ سمندر میں ڈبکی لگا کر جسم ٹھنڈا کر لیتی۔

جب جہاز خطِ استوا کے نزدیک پہنچا تو کچھ اُڑنے والی مچھلیاں ان کے پاس پہنچیں۔ انھوں نے پوچھا، "کیا ڈاکٹر واجبی صاحب اس جہاز میں تشریف رکھتے ہیں؟" جب انھیں بتایا گیا کہ ڈاکٹر واجبی موجود ہیں تو مچھلیوں کو بے حد مسرت ہوئی۔ انھوں نے کہا، "افریقہ کے بندر بہت بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

مرزا توتا نے پوچھا، "ابھی ساحل کتنی دُور ہے؟"

مچھلیوں نے کہا، "صرف پچپن میل۔"

اگلی شام جب سورج غروب ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر واجبی نے کہا، "چیچو، ذرا مجھے دُوربین دینا۔ میرا خیال ہے کہ ہمارا سفر اب ختم ہونے کے قریب ہے۔ جلد ہی افریقہ کا ساحل نظر آنے لگے گا۔"

آدھے گھنٹے بعد ہی انھیں اُفق پر سیاہ دھبے سے نظر آنے لگے۔ پھر تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ اُونچی اُونچی لہریں اُٹھنے لگیں اور گرج چمک کے ساتھ طوفان آ گیا۔ ایک دفعہ تو جہاز اس بُری طرح ڈگمگایا کہ وہ سب لڑھک کر ایک کونے میں جا گرے۔ پھر ایک دھماکا ہوا۔ جہاز رُک گیا اور ایک طرف کو جُھک گیا۔ ڈاکٹر واجبی نے گھبرا کر پوچھا، "یہ کیا ہوا؟"

مرزا توتا بولا، "میرا خیال ہے کہ جہاز خشکی پر چڑھ گیا ہے۔ آپ ذرا لبلخ سے کہیے کہ وہ باہر نکل کر حالات کا جائزہ لے۔"

"

ہمدرد نونہال، اکتوبر ۱۹۸۲ء

بی بطخ نے فوراً سمندر میں غوطہ مارا، کچھ دیر بعد جب وہ باہر نکلی تو اس نے خبر دی کہ جہاز ایک چٹان سے ٹکرا گیا ہے۔ اس کی تہ میں ایک بڑا سا سوراخ ہو گیا ہے اور پانی بہت تیزی سے جہاز میں داخل ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد جہاز سمندر میں غرق ہو جائے گا۔

توتا بولا، "رسّا کہاں ہے؟ میں نے کہا تھا نا کہ وہ ہمارے کام آئے گا۔ بی بطخ، تم کہاں ہو؟ ارے اِدھر آؤ بھئی۔ لو رسّے کا یہ سرا سنبھالو۔ ہاں اب تم اُڑتی ہوئی کنارے تک جاؤ اور ناریل کے تنے سے اسے باندھ دو۔ اس رسّے کا ایک سرا میں مستول سے باندھ رہا ہوں۔ جو لوگ تیرنا نہیں جانتے وہ رسّے کو پکڑ کر لٹک جائیں اور کنارے کی طرف کھسکنا شروع کر دیں۔"

اس ترکیب سے جہاز کے مسافر حفاظت کے ساتھ کنارے تک پہنچنے میں کام یاب ہو گئے۔ کچھ تیرتے ہوئے گئے۔ کچھ اُڑتے ہوئے اور کچھ اس پُل پر لٹک لٹک کر کنارے تک پہنچے۔ ڈیوڈ کمرو بھی کے صندوق اور دواؤں کا تھیلا لے آیا تھا۔

جہاز اب بالکل ناکارہ ہو چکا تھا۔ اس کی تہ میں جو سوراخ تھا اُس سے پانی جہاز میں بھر رہا تھا۔ ایک اُونچی لہر نے جہاز کو اُچھال کر اس بُری طرح پٹخا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

ڈاکٹر واجبی اور اس کے ساتھی ایک غار میں چھُپ کر طوفان کے گزر جانے کا انتظار کرتے رہے۔

قربانی سے پہلے کی خاطر مدارات

CamScanner

تیسری قسط

ڈاکٹر واجبی

معراج

سُلطان سنکی سے ملاقات اور گرفتاری

اگلے دن طوفان تھما تو سب لوگ سمندر کے ساحل پر پہنچے۔ مرزا توتا بولا،
"شکر ہے کہ ایک سو تریسٹھ سال تک بستی بستی، نگر نگر گھوم پھر کر میں اپنے وطن واپس آگیا ہوں۔ اتنے عرصے میں کچھ بھی تو نہیں بدلا، وہی ناریل کے درخت، وہی سرخ مٹی، وہی کالی کالی چیونٹیاں۔ سچ ہے کہ وطن سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہے!"

خوشی کے مارے مرزا توتا بیگ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ڈاکٹر واجبی کو اچانک خیال آیا کہ اس کا ہیٹ غائب ہے، کیوں کہ یہ طوفانی ہوا میں اُڑ کر سمندر میں جا گرا تھا۔ ملی بلتھ ہیٹ کو ڈھونڈنے نکلی۔ آخر اس نے اسے پالیا۔ یہ ایک کشتی کی طرح پانی میں تیر رہا تھا۔ جب بلتھ نے اسے اپنی چونچ میں پکڑا تو اس کی نظر ایک سفید چوہے پر پڑی جو بہت ڈرا سہما ہوا اس میں بیٹھا تھا۔

بلتھ نے پوچھا، "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمھیں کہا گیا تھا کہ تم بُستان پور میں ہی ٹھیرو گے!"

چوہا بولا، "میں اکیلا رہنا نہیں چاہتا تھا، اس لیے میں چُپکے سے سامان میں چھُپ کر بیٹھ گیا۔ جب جہاز ڈوبنے لگا تو میں بہت خوف زدہ ہوا، کیوں کہ مجھے تیرنا کچھ معمولی سا ہی آتا ہے۔ کافی دیر تک میں تیرتا رہا، لیکن جب ہمت جواب دے گئی تو میں ڈُبکیاں کھانے لگا۔ خوش قسمتی سے یہ ہیٹ تیرتا ہوا میرے قریب پہنچ گیا۔ میں اُچک کر اس میں سوار ہو گیا۔ میں اس چھوٹی سی عمر میں مرنا نہیں چاہتا!"

بی بلتھ ہیٹ کو اپنی چونچ میں پکڑ کر تیرتی ہوئی کنارے پر پہنچی۔ سب جانوروں نے چوہے کی مزاج پُرسی کی۔

اچانک چیچی کے کان کھڑے ہوئے۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا، "چپ، خاموش، کوئی اس طرف چلا آرہا ہے۔"

وہ سب خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد درختوں کے پیچھے سے ایک کالا بھجنگ حبشی نکلا۔ اس نے پوچھا، "تم لوگ یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

ڈاکٹر نے کہا، "میرا نام ڈاکٹر دوا جی ہے۔ مجھے یہ پیغام ملا تھا کہ میں افریقہ آؤں اور بیمار بندروں کا علاج کروں۔"

حبشی نے کہا، "سب سے پہلے آپ کو بادشاہ کے دربار میں حاضری دینی ہوگی۔"

ڈاکٹر دوا جی نے پوچھا، "تمھارے بادشاہ کا نام کیا ہے؟"

حبشی بولا، "یہ سلطنت جولیگان ہے۔ سلطان سنگی اس تمام علاقے کا بادشاہ ہے۔ اس کا یہ حکم ہے کہ تمام اجنبی اس کے حضور میں پیش کیے جائیں۔ اب آپ میرے پیچھے پیچھے چلے آئیے۔"

کچھ دور گھنے جنگل میں چلنے کے بعد وہ ایک کھلے میدان میں پہنچ گئے۔ میدان کے بالکل

CamScanner

درمیان میں مٹی کا بنا ہوا ایک بڑا سا گھر تھا۔ یہی سلطان سنگی کا محل تھا۔ سلطان سنگی ملکہ ارمانہ اور شہزادہ پپو کے ساتھ رہتا تھا۔ شہزادہ پپو مچھلی کا شکار کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ ملکہ ارمانہ اور سلطان سنگی محل کے صدر دروازے کے سامنے ایک درخت کے سائے تلے بیٹھے ہوئے تھے۔

جب ڈاکٹر واجبی کو سلطان سنگی کی خدمت میں پیش کیا گیا تو سلطان نے ڈاکٹر واجبی کے افریقہ آنے کی وجہ پوچھی۔ ڈاکٹر نے مختصر طور پر اسے افریقہ آنے کی وجہ بیان کی۔ سلطان سنگی نے کہا: "تمھیں میری مملکت سے نہیں گزرنا چاہیے تھا۔ بہت دن گزرے ایک سفید فام نے اس سرزمین پر قدم رکھا۔ میں اس سے بہت ہی مہربانی سے پیش آیا۔ اس نے میری زمین میں کھدائی کر کے سونا نکالا۔ بے شمار ہاتھی مار کر ان کے دانت نکال لیے پھر وہ چوری چھپے یہ سب مال اسباب لے کر فرار ہو گیا۔ جاتے ہوئے اس نے شکریے کا ایک لفظ تک ادا نہیں کیا۔ تب سے میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ کوئی غیر ملکی میرے ملک میں قدم نہیں رکھے گا۔"

پھر بادشاہ اپنے سپاہیوں سے مخاطب ہوا: "ڈاکٹر واجبی کو اس کے جانوروں سمیت لے جاؤ اور قید خانے میں ڈال دو۔"

حبشی ڈاکٹر اور اس کے جانوروں کو کھینچتے ہوئے لے گئے اور انھیں ایک پتھر کے بنے ہوئے قید خانے میں ڈال دیا۔

قید خانے میں صرف ایک کھڑکی تھی۔ اس میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ سب جانور قید خانے میں گھبرا گئے۔ بی لطخ تو رونے لگی۔ چیچو کو بہت غصہ آیا۔ وہ بولا: "اپنی ریں ریں بند کرو ورنہ میں ایسا تھپڑ ماروں گا کہ تمھارا بھیجا نکل جائے گا۔"

ڈاکٹر واجبی نے پوچھا: "مرزا توتا بیگ کہاں ہے؟ وہ مجھے نظر نہیں آ رہا ہے۔"

ملو چیچو نے کہا: "شاید وہ ہمیں دغا دے گیا ہے۔ جوں ہی اس نے اپنے دوستوں کو مصیبت میں گرفتار ہوتے ہوئے دیکھا، وہ چپکے سے فرار ہو گیا۔"

چیچو بلبلا کر بولا: "توتا چشم کہیں کا۔ میں اس کی فطرت سے خوب واقف ہوں۔"

مرزا توتا بیگ قہقہہ لگا کر بولا: "اجی حضرت، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں یہاں ہوں۔ ڈاکٹر واجبی صاحب کی کوٹ کی جیب میں۔ دراصل مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ بادشاہ مجھے پنجرے

میں قید نہ کر دے۔ جس وقت بادشاہ ڈاکٹر صاحب سے گفت گو میں مصروف تھا، میں ان کی جیب میں گھس گیا۔"

ڈاکٹر داجبی نے کہا: "خدا کا شکر ادا کرو کہ تمھاری جان بچ گئی ورنہ میں اس کوٹ پر بیٹھنے ہی والا تھا۔"

مرزا توتا بیگ نے کہا: "اب ذرا غور سے میری بات سنیے۔ آج رات میں ان سلاخوں سے باہر نکل جاؤں گا اور اُڑتا ہوا محل میں پہنچوں گا۔ پھر میں کوئی ایسی ترکیب کروں گا کہ سلطان سنکی تمھیں رہا کرنے پر مجبور ہو جائے۔"

بی بطخ بولی: "چرپڑی چرپڑی کا شور رہا۔ آخر تم کیا کرو گے؟"

توتا جھنجھلا کر بولا: "بی بطخ، تم اپنی چونچ بند ہی رکھو۔ تمھارے دماغ میں یہ بات نہیں آ سکتی کہ میرا ڈیڑھ سو سال کا تجربہ ہے۔ میں انسانوں کی بولی بول سکتا ہوں۔ میں ان حبشیوں کی رگ رگ سے واقف ہوں۔"

اس رات جب بادشاہ اور سب لوگ سو رہے تھے۔ توتا چپکے سے جیل خانے کی سلاخوں سے باہر نکل گیا۔ وہ ایک روشن دن کے ذریعے سے محل میں داخل ہو گیا۔ وہ دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھتا ہوا بالائی منزل میں داخل ہوا۔ ایک کمرے میں سلطان سنکی بستر پر پڑا ہوا خراٹے لے رہا تھا۔ ملکہ کسی دعوت میں گئی ہوئی تھی۔ توتا چپکے سے ایک پلنگ کے نیچے گھس گیا۔ پھر وہ آہستہ سے کھانسا۔ سلطان کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے پوچھا: "ارمانہ، تم دعوت سے واپس آ گئی ہو؟"

توتا بیگ پھر مردانہ آواز میں کھانسا۔ سلطان یک لخت اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے پوچھا، "تم کون ہو؟"

"میں ڈاکٹر داجبی ہوں۔"

سلطان سنکی نے پوچھا: "تم میرے کمرے میں کیا کرتے پھر رہے ہو؟ اور تم چھپے ہوئے کہاں ہو؟ مجھے تو نظر نہیں آتے۔"

توتے نے قہقہہ مارا۔ سلطان تیز لہجے میں بولا: "یہ مذاق بند کرو اور سیدھی طرح میرے سامنے آ کر بات کرو۔"

توتا بہت گمبھیر لہجے میں بولا "بے وقوف بادشاہ، تجھے معلوم نہیں کہ ذکی واجبی کو جب؟ زبان کھول کر سن لے کہ اس دنیا کا سب سے عظیم اور طاقت ور انسان ہوں۔ دنیا کے سب علوم میری مٹھی میں بند ہیں۔ میں پوشیدہ قوتوں کا مالک ہوں۔ جن بھوت پریت میرے قبضے میں ہیں۔ میں تجھے خبردار کرنے آیا ہوں کہ اگر تم نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو آزاد نہ کیا تو میں ایسا منتر پڑھوں گا کہ تو اور تیری سب رعایا بیمار ہو جائے گی۔ کیوں کہ جس طرح میں لوگوں کو صحت یاب کر سکتا ہوں، اسی طرح صرف انگلی کے اشارے سے انھیں بیمار بھی کر سکتا ہوں۔ تو اپنے سپاہیوں کو حکم دے کہ وہ فوراً مجھے اور میرے ساتھیوں کو قید خانے سے رہا کر دیں ورنہ یاد رکھ کہ تیری شامت آ جائے گی۔"

سلطان سنکی کا بہت برا حال تھا۔ وہ ڈر کے مارے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے کہا: "میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ خدا کے لیے آپ میری خطا معاف کر دیجیے۔ میرے اور میری رعایا کے حال پر رحم کیجیے۔" سلطان سنکی چھلانگ مار کر بستر سے نیچے اترا اور دوڑتا ہوا قید خانے

CamScanner

کی طرف چلا گیا۔

ادھر مرزا توتا بیگ پلنگ کے نیچے سے نکلا اور سیڑھیوں سے نیچے اُتر کر اُسی روشن دان کی راہ سے باہر نکل گیا۔ ملکہ ارمانہ، جو اس وقت دعوت سے واپس آ رہی تھی اس نے توتے کو محل سے باہر نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔ جب سلطان سنکی واپس آیا تو اس نے سارا قصہ ملکہ ارمانہ کو سُنایا۔ ملکہ فوراً سمجھ گئی کہ یہ سب توتے کی چالاکی ہے۔ جب اس نے یہ بات سلطان سنکی کو بتائی تو وہ بے حد پچھتایا۔ سلطان سنکی اسی وقت قید خانے واپس پہنچا، لیکن اب دیر ہو گئی تھی۔ قید خانے کا دروازہ کھلا ہوا تھا، کمرہ خالی پڑا تھا اور ڈاکٹر واجبی اور اس کے ساتھی آزاد ہو چکے تھے۔

رہائی اور تلاش

ملکہ ارمانہ نے زندگی میں پہلے کبھی سلطان کو اتنے غیظ و غضب کے عالم میں نہ دیکھا تھا۔ سلطان سنکی غصّے سے دانت پیستا ہر ایک پر گالیوں کی بوچھاڑ کر رہا تھا۔ جو چیز سامنے نظر آتی اُسے زمین پر پٹخ دیتا۔ وہ رات کا لباس پہنے ہوئے ہی فوجی چھاؤنی میں چلا گیا۔ وہاں اس نے ہر ایک فوجی کو جگا دیا۔ انھیں حکم دیا کہ وہ جنگل میں پھیل جائیں اور ڈاکٹر واجبی کو پکڑ لائیں۔ پھر اس نے اپنے نوکروں، خانساماں، دھوبی، مالی، نائی اور شہزادہ بمبو کے اُستاد کے اُستاد کو بھی جنگل میں بھیج دیا۔ ملکہ ارمانہ جو رات کی دعوت سے تھکی ہاری واپس لوٹی تھی، اسے بھی جنگل میں جا کر ڈاکٹر واجبی کو تلاش کرنے کا حکم دے دیا۔

اس دوران ڈاکٹر واجبی اور اس کے ساتھی جنگل میں دوڑتے رہے تاکہ وہ جلد از جلد نبدو بلا کے علاقے میں پہنچ جائیں۔ بی قیں قیں کی ٹانگیں بہت چھوٹی چھوٹی سی تھیں۔ وہ جلد ہی تھک گئی۔ ڈاکٹر نے اسے اُٹھا کر اپنے کندھے پر بٹھا لیا۔

سلطان سنکی کا خیال تھا کہ اس کی فوج آسانی سے ڈاکٹر واجبی کو تلاش کر لے گی، کیوں کہ ڈاکٹر جنگل میں بھٹکتا رہے گا اور راستہ تلاش نہ کر سکے گا، لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی، کیوں کہ چیچو اس جنگل کے چپّے چپّے سے واقف تھا۔ وہ ڈاکٹر واجبی اور اس کے ساتھیوں کو جنگل کے ایسے خطّے میں لے گیا جہاں کسی انسان کا گزر نہیں ہوا تھا۔ اس نے انھیں ایک

CamScanner

کو کیلے درخت کے تنے میں چھپا دیا۔

چیچو نے کہا، "ہمیں یہاں کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔ جب سلطان شکی کے فوجی واپس چلے جائیں گے تب ہم یہاں سے نکلیں گے اور اپنا سفر جاری کریں گے۔"

وہ سب رات بھر وہاں ٹھیرے رہے۔ سلطان شکی کے سپاہیوں اور نوکر چاکروں نے ان کی تلاش میں جنگل کا کونا کونا چھان مارا۔ کئی بار وہ ان کے بالکل قریب سے گزرے، لیکن تب بھی ان کے چھپنے کی جگہ معلوم نہ ہو سکی۔ آخر جب دن نکل آیا اور گھنے درختوں کے پتوں میں سے چھن چھن کر روشنی آنے لگی، تب ملکہ ارمانہ نے کہا، "اب بھگوڑے قیدیوں کی تلاش بے کار ہے۔ تم سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا کر آرام کرو۔"

جب چیچو نے دیکھا کہ میدان صاف ہے۔ اس نے ڈاکٹر واجبی اور اس کے ساتھیوں کو پناہ گاہ سے نکلنے کا اشارہ کیا۔ ایک بار پھر وہ بندروں کی سرزمین کی طرف چل پڑے۔ راستہ بہت طویل تھا۔ وہ بار بار تھک کر بیٹھ جاتے۔ خاص طور پر بی قیں قیں کا تو برا حال تھا۔ جب وہ تھکن سے نڈھال ہو جاتی تو چیچو اسے ناریل کا دودھ پلاتا۔ بی قیں قیں پی کر تازہ دم ہو جاتی۔

انھیں کھانے پینے کے سامان کی کمی نہیں تھی۔ چیچو اور توتا بیگ جنگل میں اُگنے والے پھل اور سبزیوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ کون سا پھل کہاں مل سکتا ہے۔

مرزا توتا کھجوریں، انجیر، ناریل توڑ توڑ کر لاتا۔ چیچو ان کا عرق نکال کر شربت بناتا۔ سب مزے لے لے کر یہ مشروب پیتے۔ رات کے وقت ناریل کی شاخوں کا خیمہ بناتے۔ اس کے نیچے گھاس کا بستر لگاتے۔ پھر سب جانور اور ڈاکٹر صاحب مزے کی نیند سوتے۔ رفتہ رفتہ وہ سفر کے عادی ہو گئے۔ وہ لمبے سے لمبا فاصلہ بھی ہنسی خوشی طے کرنے لگے اور انھیں بالکل بھی تھکاوٹ محسوس نہ ہوتی۔ خاص طور پر رات کے وقت جب وہ آرام کرنے کے لیے خیمہ بناتے تو ڈاکٹر واجبی آگ سلگا کر کھانا پکاتا۔ سب لوگ کھانا کھا کر فارغ ہوتے تو پھر ناچ گانے کی محفل جمتی۔ مرزا توتا بیگ کوئی گیت الاپنا شروع کر دیتا۔ بی قیں قیں، ڈلو اور ڈاکٹر واجبی اس کی تال پر تالیاں بجاتے اور چیچو تھرک تھرک کر ناچنے لگتا۔ کبھی سب لوگ حلقہ باندھ کر بیٹھ

جاتے اور چیچو انھیں حیرت انگیز قصے سُناتا۔ یہ قصے کہانیاں ان وقتوں کے ہوتے تھے جب طوفانِ نوح آیا تھا۔ انسان غاروں میں رہتا تھا۔ کبھی چیچو انسانوں کی آمد سے پہلے دنیا میں بسنے والے ڈنوسارروں کی باتیں سُنانے بیٹھ جاتا۔ یہ باتیں ایسی حیرت انگیز اور دل چسپ ہوتیں کہ جب چیچو خاموش ہوتا، تب انھیں پتا چلتا کہ بہت رات بیت چکی ہے۔ آگ بھی کبھی کی بجھ چکی ہوتی تھی۔ سب جانور لکڑیاں اکٹھی کر کے لاتے اور پھر دوبارہ آگ سلگاتے۔

اِدھر سلطان سنکی کی سُنیے۔ جب اس کی فوج اور نوکر چاکر ڈاکٹر واجبی کو تلاش کرنے میں ناکام ہو کر واپس لوٹے تو سلطان سنکی بے حد خفا ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ سب لوگ ڈاکٹر واجبی کو تلاش کرنے کے لیے دوبارہ جنگل میں جائیں اور اس وقت تک تلاش جاری رکھیں جب تک ڈاکٹر کو زندہ یا مُردہ ہماری خدمت میں پیش نہ کر دیا جائے۔ ڈاکٹر واجبی ان سب باتوں سے بے خبر تھا۔ وہ اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھ رہا تھا، حالاں آنکہ دشمن اس کا پیچھا کر رہا تھا۔

ایک دن چیچو نے ایک اُونچے درخت پر چڑھ کر دیکھا۔ جب وہ نیچے اُترا تو اس نے

ہدایت دی کہ وہ بندروں کے ملک کے بالکل نزدیک پہنچ گئے ہیں اور تھوڑے ہی عرصے میں وہاں پہنچ جائیں گے۔

اسی شام انھوں نے دیکھا کہ چیچو کا خالہ زاد بھائی بہت سے بندروں سمیت درختوں پر بیٹھے ہیں۔ یہ سب بندر ان کا انتظار کر رہے تھے۔ جب ان بندروں نے ڈاکٹر داجی کو دیکھا تو خوشی سے نعرے لگانے لگے۔ کچھ بندروں نے ڈاکٹر کا سامان اٹھالیا۔ ایک موٹے تگڑے بندر نے ڈاکٹر کو سر پر بٹھالیا اور ٹھمک ٹھمک چلنے لگا۔ دو تین بندر بہت تیز رفتاری سے اپنے قبیلے والوں کو ڈاکٹر داجی کے آنے کی خبر دینے چلے گئے۔

سلطان سنکی کے جو آدمی ڈاکٹر داجی کا پیچھا کر رہے تھے۔ انھوں نے بندروں کا شور و غل سنا تو سمجھ گئے کہ ڈاکٹر کہاں ہے۔ وہ تیزی سے ڈاکٹر کا پیچھا کرنے لگے۔ ایک بندر نے سپاہیوں کو دور سے آتے دیکھ لیا۔ اس نے فوراً ڈاکٹر داجی کو اطلاع دی۔ ڈاکٹر نے کہا: ”جتنی تیزی سے ممکن ہو سکے، دوڑ لگاؤ۔“

سب جانور پوری تیزی سے دوڑنے لگے۔ سلطان سنکی کے آدمی بھی ان کے پیچھے دوڑنے لگے۔ ایک جگہ ڈاکٹر داجی کا پاؤں پھسل گیا۔ وہ گر پڑا اور کیچڑ میں لت پت ہو گیا۔ لیکن اس وقت جب سلطان سنکی کے فوجی اسے پکڑنے والے تھے، فوجیوں کا کپتان ایک کانٹوں والی جھاڑی میں جا گرا۔ کپتان کے کان چھاج کی طرح لمبے لمبے تھے۔ وہ کانٹوں میں بری طرح الجھ گئے۔ سب سپاہی اسے کانٹوں سے نکالنے میں مصروف ہو گئے۔

جب کپتان جھاڑی سے باہر نکلا تو اس وقت ڈاکٹر داجی بہت دور نکل چکا تھا۔ چیچو نے پُرجوش انداز میں چیخ کر کہا: ”اب ہمیں تھوڑی دور اور چلنا ہوگا، پھر بندروں کا ملک شروع ہو جائے گا۔“

لیکن یہ کیا؟ ان سے چند قدم دور ایک دریا بہہ رہا تھا۔

بندروں کا پُل

ڈاکٹر داجی نے پریشان ہو کر کہا: ”اُف میرے خدا، ہم یہ دریا کیسے پار کریں گے؟“

بی ٹلیخ سہم کر بولی: ”سلطان کے سپاہی بھی قریب آتے جا رہے ہیں۔ مجھے تو قید خانے کے

خیال سے ہی ہول آرہا ہے۔" وہ بے چاری پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

موٹا بندر تیزی سے آگے بڑھا اور چٹ چٹر چٹر چٹ چٹ کر کے اپنی زبان میں سب بندروں کو ٹیلے گرام دینے لگا کہ فوراً مدد کو پہنچو اور ہمارے لیے ایک پُل تیار کرو۔ سلطان کے سپاہی ہمارے تعاقب میں آرہے ہیں اور ذرا دیر بعد وہ ہم تک پہنچ جائیں گے۔ پُل بناؤ، پُل بناؤ۔ پُل۔ پُل۔ پُل۔"

اب ڈاکٹر داجی ہکا بکا ہو کر دیکھنے لگا کہ یہ کیا کرنے والے ہیں؛ نہ کہیں شہتیر ہیں نہ لوہے کے گرڈر، آخر پُل تیار ہو گا بھی تو کیوں کر؟ لیکن جب ڈاکٹر داجی نے دریا کی طرف دیکھا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ سب بندروں نے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔ ایک بندر نے اس کنارے پر ایک درخت کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا اور آخری بندر نے دوسرے کنارے پر اُگے ہوئے درخت کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ یوں گوشت پوست کا جان دار پُل تیار ہو چکا تھا۔

موٹے بندر نے چیخ کر کہا "دیر مت کرو۔ سب لوگ پُل پر سے گزر کر دوسرے کنارے پر

CamScanner

تر جائیں، جلدی کریں، جلدی!!

ڈوبو اسے تنگ راستے سے گزرتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ ڈر تو سب ہی کو لگ رہا تھا، لیکن سب لوگ خیریت سے دوسرے کنارے پر اُتر گئے۔ جب ڈاکٹر واجبی دوسرے کنارے پر اُترا، عین اسی وقت سلطان کے سپاہی وہاں پہنچ گئے۔ موٹے بندر نے درخت کو چھوڑ دیا۔ بندروں کا پُل دریا کے دوسری طرف چلا گیا۔ سلطان شکی کے سپاہی ہوا میں نیزے لہرا کے رہ گئے۔ کپتان کا غصے سے بُرا حال تھا۔ وہ بہت دیر تک واہی تباہی بکتا رہا۔

جیجو ڈاکٹر واجبی سے بولا "بہت سے سفید فام لوگ بندروں کا پُل دیکھنے کے لیے مہینوں تک جھاڑیوں میں چھپے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں، لیکن آج تک کوئی سفید فام پُل کی ایک جھلک تک نہ دیکھ سکا۔ ڈاکٹر صاحب، آپ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے مشہور و معروف بندروں کا پُل دیکھا ہے۔" ڈاکٹر اس اطلاع پر بے حد خوش ہوا۔

دو مہینے صبر کریں

ہمدرد نونہال کے لیے نونہال جس شوق کے ساتھ اپنی تحریریں بھیجتے ہیں، اُس کا پورا اندازہ مضامین کے انبار دیکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ مضمون بھیجنے کے بعد ان کے شائع ہونے کی جلدی ہونا بھی فطری ہے، لیکن رسالے کے صفحات میں تو تھوڑے مضمون ہی شائع ہو سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس ڈیڑھ سال کے مضامین کہانیاں وغیرہ جمع ہیں، یعنی جون جولائی ۱۹۸۱ کے بھیجے ہوئے اکثر مضمونوں کے شائع کرنے کی ابھی نوبت نہیں آئی ہے۔ اب ہم ذرا سختی سے مضامین کا انتخاب کرنے پر مجبور ہیں یعنی جو مضامین بہت اچھے ہیں صرف وہی شائع کریں گے۔

تمام پیارے نونہالوں سے درخواست ہے کہ جب تک ہم اُن جمع شدہ مضامین کا فیصلہ نہ کر لیں، اُس وقت تک وہ نئے مضمون نہ بھیجیں۔ لہٰذا آپ کم سے کم دو مہینے تک تختے، خیال کے پھول اور نونہال ادیب کے لیے مضامین، کہانیاں اور نظمیں نہ بھیجیں۔ نئے سال سے آپ بھیج سکتے ہیں۔ اس عرصے میں آپ خوب پڑھیں، لکھنے کی مشق کریں اور بار بار خود اصلاح کریں یا کسی بزرگ سے اصلاح کرائیں۔ یاد رکھیں کہ دو مہینے میں جو مضامین ملیں گے ہم اُن کو بغیر پڑھے ناقابلِ اشاعت قرار دے دیں گے۔

یاد رکھیے مختصر لکھنا بڑی خوبی ہے۔ مختصر مضمون کے چھپنے کی باری بھی جلدی آتی ہے اس لیے نیا سال آنے کے بعد آپ جو چیز بھی بھیجیں وہ مختصر ہونی چاہیے۔

CamScanner

ڈاکٹر واجبی

معراج

مغرور شیر

اب ڈاکٹر واجبی بے حد مصروف رہنے لگا۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں بندر بیمار تھے۔ ان میں لال منہ والے بَبُون بھی تھے، کالے منہ والے لنگور بھی، چمپنزی بھی تھے اور گوریلے بھی۔ چھوٹے بڑے ہر قسم کے بندر شامل تھے۔ روزانہ بیمیوں کی تعداد میں مر رہے تھے۔

ڈاکٹر واجبی نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ بیمار بندروں کو تن درست بندروں سے علاحدہ کیا۔ پھر اس نے چیچو اور اس کے رشتے داروں کی مدد سے ایک جھونپڑی بنائی۔ اگلے دن اس نے سب صحت مند بندروں کو بیماری سے بچاؤ کے لیے ٹیکا لگایا اور دوائی دی۔ تین روز تک دن رات بندر اس گھاس پھونس کی جھونپڑی میں معائنہ کروانے کے لیے آتے رہے۔ ڈاکٹر واجبی دن رات وہاں بیٹھا رہا۔ وہ ہر بندر کا معائنہ کر کے انھیں بیماری سے بچاؤ کے لیے ٹیکا اور دوا دیتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ایک بہت بڑا سا گھر بنانا شروع کیا۔ اس میں بہت سے بستر تھے۔ ڈاکٹر واجبی نے مریضوں کو اس شفاخانے میں رکھا۔

لیکن مریض تو سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ پھر ان کی تیمارداری کے لیے نرسوں کی ضرورت بھی تو تھی۔ ڈاکٹر واجبی نے جنگل کے سب جانوروں مثلاً شیر، چیتا، لگڑ بگڑ، لومڑ وغیرہ کو پیغام بھیجا کہ وہ اس کام میں ہاتھ بٹائیں۔

شیر پارٹی کا لیڈر بہت ہی مغرور اور اکھڑ مزاج شیر تھا۔ جب وہ ڈاکٹر سے ملنے کے لیے آیا اور اس نے مریضوں سے بھرا ہوا شفاخانہ دیکھا تو وہ بے حد ناراض ہوا۔ اس نے جلے کٹے لہجے میں کہا: "تمھاری یہ مجال؟ آخر تم نے کیا سمجھ کر مجھے تکلیف دی۔ میں جنگل کا شہنشاہ ہوں، ان ذلیل اور

خبیث بندروں کی ذرہ برابر بھی پروا نہیں کرتا۔ میری بلا سے وہ زندہ رہیں یا مر جائیں۔ میں تو یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ، انھیں دو دو چار چار کر کے ہڑپ کر جاؤں تاکہ نہ مرض باقی رہے نہ مریض۔"
گرچہ شیرخان کے تیور بہت خراب تھے، لیکن ڈاکٹر واجبی بالکل بھی نہیں گھبرایا۔ اس نے بہت تحمل سے کہا: "ذرا سوچیے تو سہی، میں نے آپ کو بندر ہڑپ کرنے کے لیے نہیں طلب کیا ہے۔ آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ بندر خبیث ہوتے ہیں۔ ہر ایک بندر صبح سویرے غسل کرتا ہے۔ آپ اپنی قمیص رکوٹ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ بالکل میلا چیکٹ ہو رہا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے آپ نے مہینوں سے پانی کی شکل تک نہیں دیکھی۔ حضور والا! یاد رکھیے کم زور اور بے حیثیت لوگ ذلیل نہیں ہوتے بلکہ ذلیل شخص وہ ہے جو مغرور اور بد دماغ ہو۔ آپ اگر میری مدد نہیں کرنا چاہتے تو نہ کیجیے۔ یاد رکھیے وہ دن بھی دور نہیں جب یہ بیماری شیروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ فرض کیجیے کہ اگر جنگل کے سب جانور مر گئے اور صرف آپ زندہ رہے تو کیا آپ خاک پھانکا کریں گے! یاد رکھیے کہ مغروروں کا انجام ہمیشہ ہی برا ہوتا ہے۔"

شیر مسکرا کر بولا "صرف اُن کا انجام بڑا ہوتا ہے جنھیں ہم صبح ناشتے میں تناول کریں یا دوپہر کو ہڑپ کریں۔"

یہ کہہ کر شیر نے حقارت کی نگاہ سے ڈاکٹر واجبی کو دیکھا اور منہ پھیر کر چل دیا۔ ایک انسان سے ایسی بدسلوکی کر کے وہ بہت مسرت محسوس کر رہا تھا۔ پھر اس کی دیکھا دیکھی ہاتھیوں نے بھی مدد دینے سے انکار کر دیا۔ پھر بھیڑیے، لومڑی، لکڑبگڑ ہر ایک نے ٹکا سا جواب دے دیا۔ اب ڈاکٹر واجبی بے حد فکر مند ہوا کہ ان ہزاروں مریضوں کی دیکھ بھال کے لیے وہ کس سے امداد کی درخواست کرے۔

جب شیروں کا لیڈر اپنے بھٹ میں داخل ہوا تو اس کی بیگم دوڑی ہوئی اس کے پاس پہنچی۔ پریشانی سے اس کا رنگ فق ہو رہا تھا اور بال بکھرے ہوئے تھے۔

اس نے کہا "ایک بچے نے رات سے کھانا نہیں کھایا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیا کروں؟"

شیرنی یہ کہہ کر رونے لگی۔ اس کا رُواں رُواں پھڑک رہا تھا، کیوں کہ شیرنی خوں خوار ضرور تھی، لیکن اس کے سینے میں بھی ایک ماں کا دل تھا۔ شیر بھی اس اطلاع پر فکر مند سا ہوا۔ اس نے بھٹ میں جا کر بچوں کو دیکھا۔ دو بچے تو چست و چالاک تھے، لیکن تیسرا بچہ نڈھال ہو رہا تھا۔ وہ سر جھکائے ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔

شیر نے ہنس ہنس کر شیرنی کو ڈاکٹر واجبی سے ملاقات کا حال سُنایا۔

شیرنی یہ بکواس سُن کر غصے سے بے قابو ہو گئی۔ اس نے چیخ کر کہا "ارے تمھاری کھوپڑی میں تو بھوسا بھرا ہوا ہے۔ دنیا کے کونے کونے میں اس ڈاکٹر کی شہرت پھیلی ہوئی ہے۔ یہ دنیا کا واحد انسان ہے جو حیوانوں کی بولی سمجھتا ہے۔ تم جیسے اکھڑ اور بدمزاج شخص کو اس کا علم ہی نہیں؟ ہمارا لاڈلا بچہ بیمار ہو رہا ہے۔ تم فوراً جا کر ڈاکٹر سے معافی طلب کرو اور اسے اپنے ساتھ لے کر آؤ۔"

شیر چُپ چاپ کھڑا رہا۔ تب شیرنی دہاڑ کر بولی "ارے تمھیں کب عقل آئے گی؟ تم فوراً جاؤ اور ڈاکٹر واجبی سے اپنے غلط رویے کی معافی طلب کرو۔ اپنے ساتھ اپنے چیلے چانٹوں کو بھی لے جانا۔ یہ باؤلا سا لکڑبگڑ اور یہ بے وقوف بھیڑیا سب تمھاری طرح عقل سے پیدل ہیں۔ انھیں بھی

اپنے ساتھ لیتے جانا اور ڈاکٹر واجی جو کچھ کہے اس کا حکم چوں چرا کیے بغیر [illegible]
ڈاکٹر حیران ہو کر [illegible] کو بھی دیکھ [illegible]

یہ کہتے ہی شیرنی نے شیر کو غار سے باہر دھکیل دیا۔

شیر پارٹی کا لیڈر شرمندہ شرمندہ سا ڈاکٹر واجی کے پاس پہنچا۔ اس نے کہا:

"میں یہاں سے گزر رہا تھا، سوچا کہ آپ کی مزاج پرسی کرتا چلوں۔ کہیے کہیں سے کوئی مدد ملی؟"

ڈاکٹر واجی نے کہا: "نہیں، کوئی مدد کرنے کو آمادہ نہیں ہے۔ میں بے حد فکرمند و پریشان ہوں۔"

شیر بے زاری سے بولا: "ہاں جی، آج کل کون کس کا ہاتھ بٹاتا ہے، لیکن آپ جس تن دہی اور ہمدردی سے کام کر رہے ہیں اسے دیکھ کر میرا دل موم ہو گیا ہے۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیے۔"

ڈاکٹر واجی کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ خوش ہو کر بولا: "بس آپ اتنی زحمت کیجیے کہ جنگل کے جانوروں کو میری مدد کرنے کا حکم دے دیجیے۔ آپ کا اثر رسوخ کافی ہے۔ امید ہے کہ وہ آپ کا حکم نہیں ٹالیں گے۔"

شیر بولا: "بہت بہتر، میں ابھی جنگل کے سب جانوروں سے کہہ دیتا ہوں۔ ہاں، اگر آپ وقت نکال سکیں تو آج شام میرے غریب خانے پر ضرور تشریف لے آئیے۔ میرا لاڈلا بچہ بیمار ہو گیا ہے۔"

ڈاکٹر واجی اس غیبی امداد کے مل جانے پر بے حد خوش ہوا۔ جنگل اور میدانوں کے سب جانور ڈاکٹر کی مدد کرنے کے لیے پہنچ گئے۔ اس نے چند ایک ہوشیار جانوروں کو رکھ لیا، باقی کو واپس بھیج دیا۔

ڈاکٹر واجی کی خصوصی توجہ سے بندر جلد جلد صحت یاب ہونے لگے۔ ہفتے دس دن کے اندر آدھے سے زیادہ مریض صحت یاب ہو کر شفا خانے سے رخصت ہو گئے اور اگلے ہفتے کے آخر تک سب بندر صحت یاب ہو گئے۔ جب آخری بندر کو شفا خانے سے چھٹی ملی تو ڈاکٹر واجی نے سکھ کا سانس لیا۔ وہ اتنا تھک چکا تھا کہ بستر پر لیٹ گیا اور تین دن تک ایسی گہری نیند سوتا رہا کہ اس نے کروٹ تک نہ بدلی۔

CamScanner

بندروں کی کانفرنس

س دوران چیمپو ڈاکٹر واجبی کے خیمے کے باہر پہرہ دیتا رہا۔ جب ڈاکٹر بیدار ہوا تو اس
کہا کہ اب میں واپس اپنے وطن جانا چاہتا ہوں۔ سب بندر یہ بات سُن کر حیران ہوئے،
ں کہ ان کا خیال تھا کہ اب ڈاکٹر ہمیشہ ان کے پاس رہے گا۔ اس رات جنگل کے سب
ر اس مسئلے پر بات چیت کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے۔

چمپنزی قبیلے کا سردار بولا: ”آخر یہ نیک دل انسان واپس جانا کیوں چاہتا ہے؟ کیا وہ ہمارے ساتھ رہ کر خوش نہیں ہے؟“

اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ گوریلا بولا: ”میری تجویز ہے کہ ہم سب اکٹھے ہو کر ڈاکٹر واجبی کے پاس چلیں اور اسے یہاں رہنے پر رضامند کریں۔ اگر ہم اس کے لیے ایک بڑا سا مکان بنا دیں، اس کے کھانے کے لیے ہر طرح کا میوہ، سبزیاں اور گوشت مہیا کر دیں، اس کی خدمت گزاری کے لیے بہت سے بندر کمربستہ رہیں اور اس کی ہر خواہش پوری

کر دیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ یہاں سے جانے کا ارادہ ترک کر دے گا۔"

تب چیچو تقریر کرنے کے لیے کھڑا ہوا۔ سب بندر خاموش ہو گئے اور توجہ سے اس کی بات سننے لگے۔ چیچو نے کہا: "دوستو! میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر واجبی سے یہاں رکنے کی فرمائش کرنا بے کار ہے۔ کیوں کہ ان کو اپنے دوستوں کی یاد ستا رہی ہے اور اس کا واپس جانا بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے کچھ روپے قرض لیے تھے جن کو ادا کرنا بے حد ضروری ہے۔"

تب ایک بندر نے پوچھا: "یہ روپے کیا چیز ہوتی ہے؟"

چیچو نے کہا: "انسانوں کی بستی میں روپے کے بغیر تم کوئی چیز نہیں خرید سکتے۔ روپے کے بغیر گزارہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔"

کئی بندروں نے پوچھا: "کیا روپے کے بغیر کھانے پینے کی چیزیں بھی نہیں مل سکتیں؟"

چیچو نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "روپے کے بغیر کوئی چیز نہیں مل سکتی۔ جب میں مداری کے پاس تھا تو وہ روپیا کمانے کے لیے مجھے دن بھر اپنے ساتھ کھینچے کھینچے پھرتا۔ گلی کوچوں میں ڈگڈگی بجا کر مجمع اکٹھا کرتا اور مجھے نچاتا۔"

بندروں کو یہ بات سن کر بہت تعجب ہوا۔ ایک بندر بولا: "انسان تو عجیب مخلوق ہے! بھلا کون بے وقوف ان کی دنیا میں رہنا پسند کرے گا؟"

چیچو نے کہا: "جب ہم تمھارے علاج معالجے کے لیے ادھر آ رہے تھے تو سمندر کو پار کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی کشتی نہیں تھی، نہ سفر کے دوران کھانے پینے کا سامان تھا۔ ایک رحم دل شخص نے ہمیں بسکٹ، دودھ، ڈبل روٹیاں ادھار دے دیں۔ ہم نے یہ وعدہ کیا کہ سفر سے واپس آنے کے بعد اس کا قرض چکا دیں گے۔ ہم نے ایک ملاح سے ایک چھوٹا سا جہاز بھی ادھار مانگ لیا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ جہاز راستے میں ایک چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ ڈاکٹر واجبی کا خیال ہے کہ ہمیں فوراً واپس جا کر جہاز کی قیمت ادا کرنے کا بندوبست کرنا چاہیے، کیوں کہ یہ جہاز اس ملاح کا کل سرمایہ تھا اور اس کے بغیر وہ فاقوں سے مر جائے گا۔"

سب بندر زمین پر خاموش ہو کر بیٹھ گئے اور سوچ بچار کرنے لگے، لیکن ان کے ذہن میں نہیں آ رہا تھا کہ انھیں اب کیا کرنا چاہیے۔

ہمدرد نونہال، دسمبر ۲۰۰۵

آخر بڑا بندر اُٹھا۔ اس نے کہا: "ڈاکٹر واجبی نے ہمارے ساتھ جو نیکی کی ہے ہم ہمیشہ اس کے شکر گزار رہیں گے۔ اپنی شکر گزاری کے جذبے کا اظہار کرنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ ہم ڈاکٹر صاحب کو کوئی لاجواب سا تحفہ دیں۔"

ایک لنگور نے کہا: "میں آپ کی تائید کرتا ہوں۔"

پھر تو سب بندر چلّانے لگے۔ "بجا فرمایا، درست فرمایا، ہمیں ڈاکٹر واجبی صاحب کو کوئی عمدہ سا تحفہ دینا چاہیے۔"

کافی دیر تک یہی شور مچتا رہا۔ جب یہ شور تھما تو بندر ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ تحفہ کیا ہونا چاہیے؟ ایک لنگور بولا: "ڈیڑھ سو درختوں کا ناریل اور سو درختوں کے کیلے۔ میرے خیال میں پھر زندگی بھر ڈاکٹر واجبی کو پھل خریدنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔"

چیچو بولا: "اوّل تو ان کا لے جانا بے حد مشکل ہے، پھر یہ کہ یہ پھل بہت جلد گل سڑ جائیں گے اور کھانے کے قابل نہ رہیں گے۔"

چیچو نے کچھ دیر بعد پھر کہا: "اگر تم اُسے کوئی تحفہ دینا چاہتے ہو تو کوئی نایاب قسم کا جانور

نے دو۔ یقین رکھو کہ ڈاکٹر واجبی جانور کو اپنی جان سے بڑھ کر عزیز رکھے گا۔ یہ جانور ایسا نایاب ہونا چاہیے جو چڑیا گھروں میں بھی نہ پایا جاتا ہو۔"

کئی بندروں نے پوچھا: "یہ چڑیا گھر کیا ہوتا ہے؟"

چیچو نے کہا: "انسانوں کی بستی میں چڑیا گھر وہ جگہ ہوتی ہے جہاں طرح طرح کے جانوروں کو پنجروں میں بند کر کے رکھا جاتا ہے، تاکہ دوسرے لوگ آ کر انھیں دیکھیں۔"

سب جانور نفرت سے بولے: "یہ انسان تو عجیب وحشی مخلوق ہے، جو بے زبان جانوروں کو صرف اپنی دل لگی اور تفریح کی خاطر قید کر کے رکھتی ہے۔"

گوریلے نے پوچھا: "کیا ان کے پاس اگوانا ہے؟"

چیچو نے کہا: "ہاں لندن کے عجائب گھر میں ایک اگوانا موجود ہے۔"

لمبے ہاتھوں والے بندر اورنگ اوٹانگ نے پوچھا: "کیا ان کے پاس اوکاپی ہے؟"

چیچو نے کہا: "ہاں ایک اوکاپی بلجیم میں ہے اور کچھ عرصے پہلے ایک اوکاپی مصر میں بھی موجود تھی۔"

ایک بن مانس نے پوچھا: "کیا ان کے پاس دو رُخا گھوڑا ہے؟"

چیچو بولا: "دنیا کے کسی انسان نے آج تک دو رُخا گھوڑا نہیں دیکھا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم یہ جانور ڈاکٹر واجبی کو تحفے میں دے دیں۔"

اگر میں نونہال کا ایڈیٹر ہوتا

انعامی مقابلہ مضمون نویسی

اگر آپ ہمدرد نونہال کے ایڈیٹر ہوتے تو کیا کرتے؟ یہ اب آپ کے سوچنے کی بات ہے۔ ہم اس عنوان کے تحت آپ کو خیالات کے اظہار کا موقع دے رہے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ آپ میں سے کون اس مقابلے کو جیتتا ہے۔ محنت اور شوق سے لکھیے۔ عنوان بہت دل چسپ ہے۔ اس مضمون میں آپ کو آزادی ہے کہ آپ اپنے رسالے کو جیسا چاہیں بنا دیں۔ یہ مضمون ہمیں ۲۰ دسمبر ۲۰۰۸ تک مل جانا چاہیے۔ مضمون زیادہ سے زیادہ کاپی کے پانچ صفحات پر مشتمل ہو۔ ایک سطر چھوڑ کر لکھیں۔ مضمون کے آخری صفحے پر اپنا نام پتا صاف لکھیں۔ جو نونہال اپنا نام پتا لکھنا بھول جائیں گے ان کا مضمون مقابلے میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ منصفین کے فیصلے کے مطابق جو مضمون سب سے اچھا ہوگا اس کے لکھنے والے کو دو سو پچاس روپے، دوسرے نمبر پر آنے والے مضمون نگار کو ایک سو پچاس روپے اور تیسرے نمبر پر آنے والے مضمون نگار کو ایک سو روپے بطور انعام دیے جائیں گے۔

CS CamScanner

ڈاکٹر واجبی

معراج

انوکھا تحفہ ـــــ دو رُخا گھوڑا

آج کل دو رُخا گھوڑا ناپید ہے، لیکن ان دِنوں ڈاکٹر واجبی کے زمانے میں دنیا میں ایک دو رُخا گھوڑا موجود تھا اور وہ بھی افریقہ کے دشوار گزار جنگلوں میں رہتا تھا۔ دو رُخے گھوڑے کے دُم نہیں تھی بلکہ اس کی جگہ بھی ایک سر تھا۔ یہ جانور فطرتاً بہت ہی شرمیلا اور ڈرپوک تھا اس لیے گھنے جنگلوں میں چھپا رہتا تھا۔

لوگ عام طور پر جانوروں کو پیچھے سے دبے پاؤں آکر پکڑ سکتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ یہی ترکیب کام یاب نہیں ہو سکتی، کیوں کہ کوئی شکاری چاہے آگے سے آئے یا پیچھے سے دو رُخے کی نظر میں رہتا تھا۔ اس کے علاوہ جب ایک سر سو جاتا تو دوسرا سر رکھوالی کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے کوئی نہ پکڑ سکا اور چڑیا گھروں میں اس نام کا کوئی جانور دیکھنے میں نہیں آتا۔ اگرچہ شکاریوں نے لاکھ کوشش کی، لیکن وہ اسے پکڑنے میں کام یاب نہ ہو سکے۔

اب بندر اس انوکھے جانور کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔ جب وہ گھنے جنگل میں پہنچے تو اتفاقیہ طور پر ایک بندر کو دو رُخے گھوڑے کا سُراغ مل گیا۔ اس نے پاؤں کے نشانات سے اندازہ لگا لیا کہ وہ یہاں قریب ہی ہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ سب بندروں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس علاقے کو گھیرے میں لے لیا جہاں دو رُخا موجود تھا۔ جب دو رُخے نے انھیں آتے دیکھا تو اس نے بھاگ نکلنا چاہا، لیکن وہ اپنی کوشش میں کام یاب نہ ہو سکا۔ آخر وہ تھک ہار کر بیٹھ گیا۔ اس نے بندروں سے پوچھا: "آخر آپ لوگ کیا چاہتے

زن!"

بندروں نے کہا: "کیا تم انسانوں کی بستی میں جانا پسند کرو گے؟"

دو رُخا گھوڑا پہلے دونوں سر ہلا کر بولا: "ہرگز نہیں۔"

بندروں نے اسے سمجھایا کہ ڈاکٹر واجبی بے حد رحم دل انسان ہے۔ وہ جانوروں کا ہمدرد اور خیرخواہ ہے۔ اگر تم ڈاکٹر کے ساتھ کچھ دن رہنا منظور کر لو تو وہ تمھاری نمائش کرے گا اور اس طرح اُسے جو آمدنی حاصل ہو گی اس سے وہ اپنا قرض چکانے کے قابل ہو جائے گا۔

دو رُخا گھوڑا بولا: "مجھے یہ منظور نہیں کہ تماشائی مجھے گھور گھور کر دیکھیں۔ میں جنگل کا ایک بے حد شرمیلا جانور ہوں۔" یہ کہہ کر دو رُخا پیچھے ہٹنے لگا۔

تین دن تک سب بندر اسے مناتے رہے۔ آخر تیسرے دن دو رُخا گھوڑا بولا: "پہلے میں ایک نظر ڈاکٹر واجبی کو دیکھ لوں، اس کے بعد میں کچھ کہہ سکوں گا۔"

سب بندر دو رُخے کو ساتھ لے کر ڈاکٹر واجبی کے پاس پہنچے۔

چیچی آگے بڑھ کر دو رُخے گھوڑے کو ڈاکٹر کے سامنے لے گیا۔ ڈاکٹر گھوڑے کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور بولا: "اچھا! یہ کیا چیز ہے بھئی؟"

ٹوٹا بیگ گھبرا کر بولا: "خدا جانے، ہر طرف سے خطرناک ہے۔ یہ تو مجھے کچھ اور ہی مخلوق نظر آتی ہے۔"

چیچی بولا: "ڈاکٹر صاحب! یہ دو رُخا گھوڑا ہے۔ اس نسل کا یہ واحد جانور باقی رہ گیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ اسے اپنے ساتھ لے جائیے اور اس کی نمائش کیجیے۔ لوگ اسے دیکھنے کے لیے آپ کو منھ مانگی رقم ادا کریں گے۔"

ڈاکٹر واجبی بے رُخی سے بولا: "مجھے روپے پیسے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

ٹوٹا بیگ بولی: "روپے پیسے کی ضرورت کیسے نہیں ہوتی ڈاکٹر صاحب! شاید آپ بھول گئے کہ ہم نے بُستان پور میں کیسے مصیبت کے دن گزارے ہیں؟ ایک ایک پائی جمع کر کے ہم دھوبی اور نائی کا بل ادا کرتے رہے۔ پھر ملاح کا قرض بھی تو چکانا ہے، اس کی کشتی کے بدلے آپ کو نئی کشتی بھی تو دینا ہو گی۔"

ڈاکٹر واجبی نے بے دلی سے کہا: "تم اس کی فکر نہ کرو، میں ایک نئی کشتی بنا دوں گا۔"

CS CamScanner

بی قیں قیں جھنجھلا کر بولی، "ہوش کی دوا کیجیے ڈاکٹر صاحب، بھلا آپ پیٹ کے اندر لگا پائیں، قینچی اور دوسرا سامان کہاں سے آئے گا؟ پھر اس کے علاوہ ہم لوگ بھی تو آپ کے ساتھ ہیں، کیا ہم ہمیشہ اسی طرح تنگی ترشی سے گزارا کرتے رہیں گے؟ میرا خیال تو یہی ہے کہ آپ پیٹر شورہ مال پہنچیے اور اس الو کے پٹھے جانور کو اپنے ساتھ لے چلیے۔"

ڈاکٹر واجبی سر کھجا کر بولا: "کہتے تو تم ٹھیک ہی ہو، کیوں بھئی تمھاری کیا رائے ہے؟ کیا تم ہمارے ساتھ جانا پسند کرو گے؟"

دو رُخے گھوڑے نے ڈاکٹر واجبی کا چہرہ دیکھتے ہی اندازہ لگایا کہ اس شخص پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ اس نے کہا: "مجھے آپ کے ساتھ جانا منظور ہے، لیکن آپ کو یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ اگر انسانوں کی بستی میں میرا دل گھبرایا تو آپ مجھے واپس بھجوا دیں گے۔"

ڈاکٹر نے فوراً کہا: "ہاں ہاں، کیوں نہیں! یہ میرا تم سے وعدہ رہا۔"

بی لطخ بولی: "ایک بات تو بتاؤ۔ میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ تمھارا صرف ایک منھ گفت گو میں مصروف ہے۔ کیا تم دوسرے منھ سے بول چال نہیں سکتے؟"

بندر بولا، "دوسرا میں عام طور پر جگالی کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ اس طرح میں کھانے پینے کے ساتھ ساتھ بات چیت بھی کرتا رہتا ہوں۔"

جب سب تیاری مکمل ہو چکی تو بندروں نے ڈاکٹر واجبی کے اعزاز میں ایک تقریب کا انتظام کیا۔ جنگل کے سب جانور اس دعوت میں شریک ہوئے۔ ہر جانور اپنے ساتھ اناناس، کیلے، آم، شہد اور کھانے پینے کی چیزیں لے کر آیا۔ جب کھانے پینے کا سلسلہ ختم ہوا تو ڈاکٹر واجبی تقریر کے لیے کھڑا ہوا۔ اس نے کہا،

"دوستو! میں تقریر کرنے کے فن میں ماہر نہیں ہوں۔ میں جو کچھ کہوں گا اس کا ایک ایک لفظ میرے دل کی گہرائیوں سے نکلے گا۔ سب سے پہلے تو میں آپ لوگوں کو ایسی شاندار دعوت دینے پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ لوگوں سے جدا ہو رہا ہوں، لیکن میں مجبور ہوں، کیوں کہ مجھے انسانوں کی دنیا میں کچھ کام سرانجام دینے ہیں۔ میرے جانے کے بعد دو باتوں پر عمل کرنا۔ ایک تو یہ کہ اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو مکھیوں سے بچا کر رکھنا اور ہر چیز اچھی طرح دھو کر کھانا۔ دوسرے یہ کہ بارش کے بعد گیلی زمین پر کبھی مت سونا اور۔۔۔ اور۔۔۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ لوگ ہمیشہ تن درست رہیں گے۔"

ڈاکٹر واجبی تقریر ختم کر کے بیٹھ گیا۔ سب بندر بہت دیر تک تالیاں بجاتے رہے۔

گوریلا بولا، "اس عظیم انسان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے ہم ایک یادگار بنائیں گے، تاکہ ہمیں اور آنے والی نسلوں کو یہ ہمیشہ یاد رہے کہ اس عظیم انسان نے ہمارے ساتھ کھانا کھایا تھا۔"

یہ کہہ کر گوریلا ایک بڑا سا پتھر لڑھکاتا ہوا اس جگہ لے آیا جہاں ڈاکٹر واجبی بیٹھا ہوا تھا۔ گوریلے نے کہا، "یہ اس بات کی نشانی ہے کہ ڈاکٹر واجبی صاحب یہاں بیٹھے تھے۔"

آج تک جنگل کے بالکل درمیان میں ایک بہت بڑا سا پتھر گڑا ہوا ہے۔ جب کوئی بندر وہاں سے گزرتا ہے تو وہاں کچھ دیر کے لیے ضرور ٹھیرتا ہے اور اپنے بچوں کو اس عظیم انسان کے متعلق بتاتا ہے جو ہزاروں مصیبتیں جھیل کر ان کے علاج کے لیے وہاں آیا تھا۔

جب دعوت ختم ہو چکی تو ڈاکٹر واجبی اور اس کے ساتھ جانور دریا کی طرف چلے۔ جنگل کے سب بندروں نے بہت دور تک ان کا ساتھ دیا۔

CamScanner

افریقہ سے واپسی اور پھر گرفتاری

سب بندر دریا کے کنارے پر ٹھیر گئے اور ڈاکٹر واجبی سے سلام دُعا کر کے رخصت ہونے لگے۔ اس میں بہت دیر لگ گئی، کیوں کہ بندر سیکڑوں بلکہ ہزاروں تھے اور ہر ایک ڈاکٹر واجبی سے معانقہ کرنے کا خواہش مند تھا۔

جب ڈاکٹر اور اس کے پالتو جانور اکیلے رہ گئے تو مرزا توتا بیگ نے کہا: "ڈاکٹر صاحب! ہمیں اب پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوگا اور باتیں بھی بہت دبی دبی آواز میں کرنی ہوں گی، کیوں کہ ہم پھر جولی گان کے علاقے میں داخل ہو رہے ہیں۔ اگر سلطان سنکی کو ہمارے آنے کی سُن گُن مل گئی تو وہ ہمیں پکڑنے کے لیے پوری فوج بھیج دے گا۔"

ایک دن وہ گھنے جنگل سے گزر رہے تھے۔ چیچو ناریل کی تلاش میں نکل گیا۔ ڈاکٹر واجبی اور اس کے ساتھی جو جنگل سے ناواقف تھے، وہ راستہ بھول گئے اور جنگل میں بھٹکنے لگے۔ اُدھر چیچو کو جب وہ نظر نہ آئے تو وہ بہت پریشان ہوا۔ وہ اونچے اونچے درختوں پر چڑھ کر انھیں تلاش کرنے لگا۔ ایک دفعہ چیچو کو ان کی جھلک بھی دکھائی دی، پھر اس کے بعد وہ گم ہو گئے۔ ڈاکٹر اور اس کے ساتھی صحیح راستے سے بھٹک کر جنگل میں ایسی جگہ جا نکلے جہاں گھنی جھاڑیاں تھیں اور درختوں سے لٹکی ہوئی بیلوں نے جال سا بُن دیا تھا۔ ڈاکٹر واجبی نے اپنی جیب سے چاقو نکالا، بیلوں اور جھاڑیوں کو کاٹ کاٹ کر راستہ بنایا۔ کئی دفعہ ڈاکٹر گیلی زمین پر پھسل پھسل کر گرا۔ ایک دفعہ تو اس کی دواؤں کا تھیلا ہاتھ سے چھوٹ کر جھاڑیوں میں جا گرا۔ ان کی مصیبتیں بڑھتی ہی چلی جا رہی تھیں اور راستے کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔

کئی دن تک یوں ہی بھٹکتے رہنے کے بعد ان کے کپڑے پھٹ کر تار تار ہو گئے۔ ہاتھ اور منھ کیچڑ سے لتھڑ گئے۔ آخر وہ سلطان سنکی کے محل کے پچھواڑے میں جا نکلے۔ سپاہیوں نے انھیں گرفتار کر لیا اور سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مرزا توتا نے بہت عقل مندی دکھائی۔ وہ چپکے سے اُڑ کر درختوں کے جُھنڈ میں جا چھپا، اس لیے وہ گرفتار ہونے سے بچ گیا۔

سلطان سنکی نے خوف ناک قہقہہ لگا کر کہا: "ہا ہا ہا، بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی؟ اس دفعہ تم بچ کر نہ جا سکو گے۔"

پھر سلطان نے کڑک دار لہجے میں کہا "لے جاؤ ان بدبختوں کو اور جیل خانے میں بند کر دو اور دروازے پر دہرے تالے ڈال دو۔"

اس صورتِ حال پر سب جانور بے حد افسردہ ہوئے۔ ڈاکٹر واجبی جھنجھلا کر کہنے لگا، "یہ کیا مصیبت آ گئی! مجھے ہر قیمت پر بُستان پور جانا ہے، ورنہ وہ غریب ملاح سمجھے گا کہ ہم لوگ اس کا جہاز لے کر فرار ہو گئے ہیں۔"

ڈاکٹر واجبی جیل کے دروازے جھنجھوڑنے لگتا، پھر تھک ہار کر بیٹھ جاتا۔ بی بطخ زور زور سے رونے لگی تو ڈاکٹر نے اسے تسلی دی۔ اِدھر مرزا توتا بیگ درختوں میں چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ وہ اپنے دوستوں کو رہائی دلانے کی ترکیبیں سوچتا رہا۔ جلد ہی چیچو بھی اُدھر آ نکلا۔ جب اسے ڈاکٹر واجبی کے گرفتار ہونے کی اطلاع ملی تو وہ بھی بے حد رنجیدہ ہوا۔ اس نے تلخ لہجے میں کہا، "تم بھی تو جنگل کے چپے چپے سے واقف ہو۔ تم نے رہنمائی کیوں نہیں کی؟"

[illegible] ایک بولا" یہ سب کیا دھرا ڈاڈا صاحب کے کتے کا ہے۔ وہ ایک خرگوش کا پیچھا [illegible] ہوا جنگل میں چلا گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ہم بھی گئے۔ جنگل میں پہنچ گئے اور راستہ بھول [illegible] ادھر ادھر بھٹکنے لگے۔"

[illegible] آواز دبا کر بولا" چپ خاموش، شہزادہ بھولو اسی طرف چلا آ رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی نظر ہم پر پڑ جائے۔"

شہزادہ بھولو باغیچے میں داخل ہوا۔ اس نے اپنی بغل میں کہانیوں کی کتاب دبا رکھی تھی۔ وہ ایک اداس دھن گنگناتا ہوا ادھر آیا اور درخت کے نیچے ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور کتاب کھول کر پریوں کی کہانی پڑھنے لگا۔ توتا اور چیچو دم سادھے بیٹھے رہے اور غور سے اس کی حرکات دیکھتے رہے۔ شہزادے بھولے نے کتاب رکھ دی اور آہ بھر کر بولا" کاش کہ میرا رنگ بھی گورا ہوتا!" پھر وہ خیالوں کی دنیا میں کھو گیا۔

توتا بیک زنانہ آواز میں بولا" بھولو میرے بیٹے، اداس نہ ہو۔ دنیا میں ایک شخص ایسا ہے جو تمھارے رنگ کو گورا کر سکتا ہے۔"

بھولے حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا" یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ ایسی نرم اور رسیلی آواز تو کسی پری کی ہی ہو سکتی ہے۔"

توتا پھر بولا" میرے بچے، تم ٹھیک ہی سمجھے۔ میں پری ہوں اور میرا نام ہے حور بانو۔ میں پریوں کی ملکہ ہوں اور یہاں گلاب کی کلی میں چھپی ہوئی بیٹھی ہوں۔"

بھولو مسرت سے جھوم کر بولا" اے مہربان ملکہ! خدا کے لیے مجھے اس نیک دل شخص کا پتا بتا دیجیے جو میرے سیاہ رنگ کو سفید کر سکے۔"

توتا بولا" تمھارے باپ کے جیل خانے میں ایک زبردست جادوگر بند ہے۔ اس کا نام ڈاکٹر واجبی ہے۔ وہ بے شمار عجیب و غریب دواؤں سے واقف ہے اس کے علاوہ وہ جادو ٹونا بھی جانتا ہے۔ اس نے ہزاروں کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ تمھارے باپ نے کسی غلط فہمی کی بنا پر اسے قید میں ڈال دیا ہے۔ تم اس سے رات کے وقت ملو، لیکن خبردار کسی کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکی۔ اچھا اب خدا حافظ۔"

"خدا حافظ نیک دل پری!" شہزادہ بھولو مسکرا کر بولا۔

شہزادہ بے تابی سے رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ خوشی کے مارے اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔

شہزادہ گورا ہو گیا

آخر خدا خدا کر کے سورج غروب ہوا۔ توتا بیگ چپکے سے اڑ گیا اور سیدھا جیل خانے میں پہنچا۔ اس نے سلاخوں پر دو تین بار چونچ مار کر بی بلخ کو نزدیک بلایا اور کہا "ذرا ڈاکٹر صاحب کو کھڑکی کے پاس بھیج دو۔ میں ان سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

بلخ نے ڈاکٹر واجبی کو جگایا۔ توتا بیگ آہستہ سے بولا "آج رات شہزادہ بمبو آپ سے ملنے کے لیے آئے گا۔ آپ کوئی ایسی ترکیب نکالیے کہ اس کا رنگ سفید ہو جائے اس کے بدلے میں آپ اپنی آزادی کا پروانہ اور سفر کے لیے جہاز طلب کر سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر بولا "وہ تو ٹھیک ہے، لیکن کسی کالے آدمی کا رنگ گورا کرنا آسان کام نہیں ہے۔ انسان کی جلد کپڑے کی طرح نہیں ہوتی کہ اس کو رنگا جا سکے۔"

توتا بیگ بے صبری سے بولا "خدا کے لیے آپ کوئی ترکیب سوچیے۔ یہ کام آپ کو کرنا ہوگا۔ آپ کے تھیلے میں بے شمار دوائیں ہیں۔ اگر آپ اس کی رنگت تبدیل کر دیں تو وہ آپ کی خاطر جان تک قربان کرنے کو تیار ہو جائے گا۔ آپ کے لیے جیل سے نکلنے کا یہ آخری موقع ہے۔"

ڈاکٹر واجبی فکر مند ہو کر سر کھجانے لگا۔ "میرا خیال ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ خیر میں ذرا اپنی دواؤں کی صندوقچی کا معائنہ تو کر لوں؟"

یہ کہہ کر ڈاکٹر نے دواؤں کی صندوقچی فرش پر الٹ دی۔ وہ دواؤں کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر وہ اپنے آپ سے بولا۔

"کلورین رنگ کاٹ دیتی ہے، لیکن اس کا اثر بہت تھوڑے عرصے کے لیے ہوتا ہے۔ ہائیڈروجن پر آکسائڈ بالوں کا رنگ تھوڑا کر دیتی ہے۔ اگر کلورین میں چند دوائیں ملا کر جلد کا رنگ تبدیل کر دوں اور پھر جسم پر سفیدے کی تہ جما دوں تو کیسا رہے گا؟"

ابھی وہ ترکیبیں سوچ ہی رہا تھا کہ شہزادہ بمبو جیل خانے میں داخل ہوا۔ اس نے کہا

میں بے حد بد نصیب شخص ہوں۔ کاش میرا رنگ گورا ہوتا اور میرے بال سنہرے گھونگھریالے ہوتے۔ میں نے آپ کے جادو کی شہرت سُنی ہے۔ میں آپ کے پاس یہ اُمید لے کر حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرا رنگ گورا کر دیں گے۔"

ڈاکٹر واجبی نے کہا، "شہزادے اگر میں آپ کے بال سنہرے کر دوں تو کیا یہ کافی نہیں رہے گا؟"

شہزادہ بے صبری سے بولا، "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کسی طرح میرا رنگ گورا ہو جائے۔"

"تم جانتے ہو کہ کسی شہزادے کا رنگ تبدیل کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ کیا یہ کافی رہے گا کہ آپ کا چہرہ گورا ہو جائے؟"

شہزادہ بولا، "ہاں یہی کافی ہے، کیوں کہ میں اپنے جسم پر تو چمک دار زرہ بکتر پہن لوں گا۔ ہاتھ دستانوں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔"

[illegible] پوری کوشش کروں گا، لیکن آپ بھی ذرا میرا خیال [illegible]
[illegible] ہے۔ ہو سکتا
[illegible] آپ کے [illegible] سے کی کھال والی صنعت
[illegible] اس لیے تھوڑی دیر تو لگے گی۔ آپ [illegible]
سفر کے لیے ایک جہاز کا بندوبست کر دیجیے۔ راستے میں کھانے پینے کے لیے کافی سامان بھی ہونا چاہیے۔ لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ جب میں آپ کی فرمائش پوری کر دوں تو آپ مجھے اور میرے ساتھی جانوروں کو اس قید سے رہائی دلا دیجیے گا۔ کیسے منظور ہے آپ کو؟"

شہزادے ہمپو نے وعدہ کر لیا۔ وہ سمندر کے ساحل پر جہاز کا بندوبست کرنے چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے بتایا کہ سب انتظام ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر واجبی نے بی لظمی سے کہا کہ ذرا ایک ٹب لے آؤ۔ پھر اس نے بہت سی دواؤں کو اس ٹب میں انڈیلا اور ہمپو سے کہا، "اپنا چہرہ اس میں ڈبو دو۔"

شہزادہ نیچے جھکا اور اس نے دواؤں میں اپنا چہرہ ڈبو دیا۔ شہزادے ہمپو نے اتنی دیر تک اپنا چہرہ دواؤں میں ڈبوئے رکھا کہ ڈاکٹر واجبی بھی پریشان ہو گیا اور بے چینی سے کبھی وہ ایک پاؤں پر کھڑا ہو جاتا، کبھی دوسرا بھی زمین پر ٹیک دیتا، کبھی دواؤں کے لیبل پڑھنے لگتا، کبھی شیشیوں کو ہلا ہلا کر دیکھتا۔ آخر کچھ دیر بعد کمرے میں ایک عجیب سی ناگوار بو پھیل گئی۔ ہمپو نے ٹب سے منھ باہر نکالا اور ایک لمبا سانس لیا۔ سب جانور حیران ہو کر چیخنے چلانے لگے۔ شہزادے ہمپو کا چہرہ دودھ کی طرح سفید ہو چکا تھا۔

ڈاکٹر واجبی نے ہمپو کو آئینہ دکھایا۔ وہ خوشی کے مارے اچھلنے کودنے لگا۔ ڈاکٹر واجبی نے کہا کہ "شور مچانے کی ضرورت نہیں ورنہ چوکی دار ادھر آ جائیں گے اور اب خاموشی سے دروازہ کھول دو۔"

ہمپو نے درخواست کی، "آپ یہ آئینہ مجھے دے جائیے۔ پورے ملک جولی گان میں ایک بھی آئینہ نہیں ہے۔"

ڈاکٹر نے آئینہ دینے سے انکار کر دیا۔ شہزادے ہمپو نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکال

زدوں تاسے کھول دیے۔ ڈاکٹر اپنے جانوروں سمیت دوڑتا ہوا بندرگاہ تک پہنچا۔ شہزادہ
رت دیر تک ہاتھ ہلا ہلا کر انھیں خدا حافظ کہتا رہا۔ چاند کی دھیمی دھیمی روشنی میں اس
تھی ذنت کی طرح سفید چہرہ چمک رہا تھا۔

ڈاکٹر دواجبی نے کہا: "مجھے رہ رہ کر بمبو پر افسوس ہو رہا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ
ت تھوڑے عرصے میں دواؤں کا یہ عارضی اثر دور ہو جائے گا اور جب شہزادہ بمبو
اُٹھے گا تو اس کا چہرہ ہمیشہ کی طرح سیاہ رنگ کا ہو گا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے شہزادے
آئینہ نہیں دیا۔ دواؤں کا یہ مرکب میں نے پہلے کبھی استعمال نہیں کیا تھا۔ سچ تو یہ ہے
میں خود بھی دواؤں کا یہ حیرت انگیز اثر دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ آہ بے چارا بمبو۔ میں
ں نے اسے دھوکا دیا، لیکن آخر میں کیا کرتا! آزادی حاصل کرنے کے لیے مجھے کچھ نہ کچھ
کرنا ہی تھا۔"

توتا بیگ بولا: "اسے جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے اُسے دھوکا دیا ہے۔"
بی بطخ پَر پھڑپھڑا کر بولی: "انھوں نے بھی تو ہمیں بے خطا قید خانے میں ڈال دیا
تھا۔ ہم نے آخر ان کا کیا بگاڑا تھا۔ اب اگر بمبو کو کوئی دلی صدمہ پہنچتا ہے تو ہماری بلا سے۔"
ڈاکٹر دواجبی بولا: "بھئی انسان کی بات تو یہ ہے کہ اصل میں قصوروار تو اس کا باپ
ہے۔ بمبو بے چارہ تو بے قصور ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں نے جو گستاخی کی ہے اس کی
معافی طلب کروں اور ہاں مجھے معلوم ہے کہ دواؤں کا اثر مستقل ثابت ہو اور شہزادہ ہمیشہ
ورا رہے۔"

قرآنی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی ؐ آپ کی دینی معلومات
میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام
آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں
ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

CamScanner

ڈاکٹر واجبی

معراج

ابابیلوں کی آمد اور سمندری ڈاکو

سب سے پہلے دو رُخا گھوڑا جہاز پر سوار ہوا۔ اس کے بعد ڈبو کتا، اُلّو، بی بطخ اور ڈاکٹر واجبی نے جہاز پر قدم رکھا۔ چیچو، لوتا بیگ اور مگرمچھ کنارے پر ہی کھڑے رہے، کیوں کہ افریقہ ان کا گھر تھا، ان کی پیدائش اسی جگہ ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نے جہاز پر کھڑے ہو کر، اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ تب اسے احساس ہوا کہ بُستان پور تک رہنمائی کرنے والا

کوئی شخص اس کے ساتھ نہیں۔ دُور دُور تک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ ڈاکٹر کے دل
میں طرح طرح کے وسوسے آنے لگے۔ اچانک انھوں نے ایک عجیب طرح کے شور کی آواز
سُنی۔ سب جانور متوجہ ہو کر اس آواز کو سُننے لگے۔ شور آہستہ آہستہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ یوں
لگتا تھا کہ جیسے موسم خزاں کی ہوا بے شمار پتوں کو اُڑائے لیے چلی جا رہی ہے۔ ڈبو نے
کان کھڑے کیے اور غور سے سُننے لگا۔ وہ بھونکنے لگا۔ اس نے کہا، "اوہو، یہ تو ہزاروں بلکہ
لاکھوں پرندوں کے پروں کی آواز ہے جو تیزی سے اُڑتے ہوئے اِدھر ہی چلے آ رہے ہیں"
کچھ دیر بعد چھوٹے چھوٹے پرندوں کا ایک غول گزرا۔ اس کے بعد تو ایک سیلاب
سا آ گیا۔ پورے آسمان پر پرندے ہی پرندے نظر آنے لگے۔ وہ اتنے سارے تھے کہ انھوں
نے چاند کی روشنی بھی روک دی اور سمندر پر تاریکی چھا گئی۔ جب پرندوں کا زور کم ہوا تو
چاند پہلے کی طرح چمک دار اور روشن نظر آنے لگا۔ یہ پرندے ساحل کے قریب درختوں
پر بیٹھ گئے۔ بہت سے ساحل کی ریت پر ہی بیٹھ کر سستانے لگے۔ کچھ پرندے جہاز کے
مستول اور رسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔

ڈاکٹر واجبی انھیں دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ ابابیلیں ہیں۔ وہ بولا "مجھے بالکل خبر
نہیں تھی کہ ہم اتنے طویل عرصے تک افریقہ میں رہے ہیں اور جب ہم واپس اپنے وطن
میں پہنچیں گے تو گرمیوں کا موسم شروع ہو چکے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے ابابیلیں مل
گئیں۔ اب مجھے راستے سے بھٹکنے کا اندیشہ نہیں رہا۔ فوراً لنگر اُٹھا دو، بادبان کھول دو، ہمارا
سفر شروع ہوتا ہے۔"

بادبانی جہاز آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ جو جانور وہیں رہ گئے وہ توتا بیگ، چیچو بندر اور
مگرمچھ تھے۔ وہ تینوں بے حد رنجیدہ تھے، کیوں کہ وہ ڈاکٹر واجبی کو دل و جان سے چاہتے
تھے۔ وہ کنارے پر کھڑے بار بار ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہتے رہے، یہاں تک کہ جہاز ان کی
نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

مصیبت نازل ہونے والی ہے

سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ راستے میں ڈاکٹر واجبی کے جہاز کو بار بیری کے پاس سے گزرنا

تھا۔ یہ ساحل ایک ویران اور بڑے صحرا کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا تھا۔ یہاں بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے بھی تھے۔ اس علاقے میں سمندری ڈاکوؤں نے اپنا اڈہ بنا رکھا تھا۔ جب کوئی جہاز ان ڈاکوؤں کی نظر پڑ جاتا تو یہ اس کا پیچھا کر کے جہاز کو پکڑ لیتے اور مسافروں کی ایک ایک چیز لوٹ لیتے۔ انھیں کسی گم نام جزیرے میں اُتار کر جہاز ڈبو دیتے، پھر یہ ڈاکو ان مظلوم اور بے بس مسافروں کو تنگ کر کے اُن سے ان کے عزیزوں اور رشتے داروں کے نام خط لکھوا کر بہت بڑی بڑی رقموں کا مطالبہ کرتے۔ جو مسافر انھیں رقم فراہم کرنے کا بندوبست نہ کر سکتا، یہ ڈاکو اُسے سمندر میں پھینک دیتے۔

ایک سہانی صبح ڈاکٹر واجبی اور بی لطخ عرشے پر کھڑے تھے۔ بی لطخ نے بہت دُور ایک جہاز کے بادبان دیکھے۔ یہ بادبان گہرے سُرخ رنگ کے تھے۔ بی لطخ گھبرا کر بولی، "مجھے یہ بادبان دیکھ کر ہول آ رہا ہے۔ خدا خیر کرے، یوں لگتا ہے کہ جیسے ہم پر کوئی مصیبت نازل ہونے والی ہے۔"

ڈبو جو مستول کے قریب ہی سائے میں سو رہا تھا، زور زور سے بھونکنے لگا، "مجھے بُھنے ہوئے گوشت کی خوش بُو آ رہی ہے، ران کا چربیلا گوشت آگ پر بُھونا جا رہا ہے۔"

ڈاکٹر واجبی گھبرا کر بولا، "یہ ڈبو کو کیا ہوا؟ کیا یہ خواب میں بڑبڑا رہا ہے؟"

بی لطخ بولی، "شاید ڈبو ٹھیک ہی کہتا ہو، کیوں کہ کتے سوتے میں بھی خوش بُو سونگھ لیتے ہیں۔"

ڈاکٹر واجبی نے کہا، "لیکن اسے کس چیز کی خوش بُو آ رہی ہے؟ ہمارے جہاز پر تو گوشت نہیں بھونا جا رہا ہے۔"

بی لطخ بولی، "ممکن ہے کہ کوئی اُس جہاز پر گوشت بھون رہا ہو۔ کتے دس دس میل دُور کی چیزوں کی بُو سونگھ سکتے ہیں۔ اگر آپ کو میری بات کا یقین نہیں آتا تو ڈبو کو جگا کر پوچھ لیجیے۔"

ڈبو گہری نیند سو رہا تھا وہ پھر بھونکنے لگا۔ اس کا اوپری ہونٹ غصے سے خم کھا گیا اور سفید سفید دانت چمکنے لگے۔ وہ غرّانے لگا، "مجھے لٹیرے لوگوں کی بُو آ رہی ہے۔ خطرہ، خطرہ، جنگ، لٹیرے ایک بہادر پر ٹوٹ پڑے۔ گھبراؤ نہیں، میں تمھاری مدد کروں گا۔ بھوں بھوں بھوں۔" ڈبو اتنا اس زور سے بھونکا کہ خود اپنی آواز سے آنکھ کُھل گئی۔ وہ حیران ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

لیلی بولی "ارے لو وہ جہاز تو بہت قریب آپہنچا ہے۔ اس کے سرخ رنگ کے بادبان بھی صاف نظر آرہے ہیں۔ یہ لوگ شاید ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔ آخر یہ کون ہو سکتے ہیں؟"

ڈبو بولا "یہ کوئی اچھے لوگ نظر نہیں آتے۔ میرا خیال ہے کہ یہ باربیری کے سمندری ڈاکو ہیں۔"

ڈاکٹر بولا "ہمیں اپنے جہاز پر اور بادبان لگانے پڑیں گے تاکہ ہمارا جہاز اور تیز چلے۔ ڈبو تم فوراً نیچے جاؤ اور سب بادبان اُٹھا لاؤ۔"

کتا بھاگتا ہوا نیچے پہنچا۔ وہاں اسے جتنے بادبان نظر آئے وہ سب کھینچتا ہوا اوپر لے آیا۔ سب بادبان باندھنے کے باوجود جہاز کی رفتار میں کوئی خاص اضافہ نہ ہو سکا۔ ادھر سمندری ڈاکوؤں کا جہاز نزدیک آتا جا رہا تھا۔

کُتا بولا "شہزادے نے ہمیں بہت ناکارہ جہاز دیا ہے۔ او ہو، یہ ڈاکو تو بہت ہی نزدیک آپہنچے ہیں۔ میں اُن کی مونچھیں تک دیکھ سکتا ہوں۔ یہ کل چھے ہیں۔"

ڈاکٹر نے بطخ سے کہا کہ فوراً ابابیلوں کو یہ اطلاع پہنچا دو کہ ڈاکو ہمارا پیچھا کر رہے ہیں، تھوڑی ہی دیر میں وہ ہمیں آلیں گے۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

ابابیلوں نے جب یہ سُنا تو وہ فوراً ڈاکٹر کے پاس پہنچیں۔ انھوں نے کہا "آپ ایک لمبے رسّے کو کھول کر باریک باریک دھاگے بنا دیں۔ پھر ان دھاگوں کا ایک بڑا جہاز کے اگلے حصے سے باندھ دیں۔" ڈاکٹر واجبی نے ایسا ہی کیا۔ ابابیلوں نے ان دھاگوں کے دوسرے سرے اپنے پنجوں اور چونچوں میں دبا لیا اور جہاز کو کھینچنے لگیں۔

ڈاکٹر واجبی کے جہاز سے ہزار دھاگے بندھے ہوئے تھے اور ہر دھاگے کو دو ہزار ابابیلیں کھینچ رہی تھیں۔ آسمان ابابیلوں کی وجہ سے سیاہ ہو گیا تھا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔

ڈاکٹر نے محسوس کیا کہ جہاز بہت تیز رفتاری سے جا رہا ہے، بلکہ اسے یوں محسوس ہوا کہ جہاز بھی ابابیلوں کے ساتھ ساتھ اُڑتا چلا جا رہا ہے۔ جہاز پر سوار سب جانور خوشی سے قہقہے لگانے اور ناچنے لگے۔ سمندری ڈاکوؤں کا جہاز بہت پیچھے رہ گیا۔ آخر کچھ دیر بعد وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

چوہوں نے جہاز کیوں چھوڑا؟

سمندری جہاز کو کھینچنا بہت مشکل کام ہے۔ دو تین گھنٹوں میں ابابیلیں تھک کر چور ہو گئیں۔ انھوں نے ڈاکٹر واجبی کو پیغام بھیجا کہ "اب ہم میں اُڑنے کی سکت نہیں ہے اور ہم کچھ دیر آرام کرنا چاہتے ہیں۔ ہم جہاز کو کھینچ کر ایک جزیرے میں لے جاتے ہیں اور اسے سرکنڈوں کے جھنڈ میں چھپا دیتے ہیں۔"

جلد ہی ابابیلوں نے جہاز کو جزیرے میں پہنچا دیا۔ یہ ایک بہت خوب صورت جزیرہ تھا۔ اس کے درمیان میں ایک سرسبز پہاڑ تھا۔ ابابیلوں نے جہاز کو سرکنڈوں کے جھنڈ میں ایسی جگہ چھپا دیا جہاں سے وہ نظر نہ آسکے۔ جہاز میں پینے کا پانی ختم ہو رہا تھا۔ اس لیے ڈاکٹر واجبی پانی تلاش کرنے کے لیے اُترا، سب جانور تازہ گھاس چرنے اور سیر و تفریح کرنے کے لیے جہاز سے اُتر گئے۔ ڈاکٹر واجبی نے دیکھا کہ سب چوہے جہاز چھوڑ چھوڑ

رجا رہے ہیں۔ ڈبو ان کے پیچھے لپکا۔ اسے چوہوں کو ستانے میں بہت لطف آتا تھا۔ ڈاکٹر واجبی نے اُسے اس حرکت سے منع کیا۔

ایک بڑا سا چوہا ڈاکٹر سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کھسک کر ڈاکٹر واجبی کے پاس پہنچا۔ اس نے دو تین دفعہ اپنی مونچھوں کو صاف کیا، پھر کھنکار کر بولا، "آداب عرض، عالی جناب، میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر واجبی مسکرا کر بولا "فرمائیے۔"

چوہا بولا "آپ کو معلوم ہو گا کہ ہم چوہے لوگ ڈوبنے والے جہاز کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔"

ڈاکٹر واجبی بولا "ہاں سُنا تو ایسا ہی ہے۔"

چوہا بولا "میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سب چوہے آپ کے جہاز کو چھوڑ چھوڑ کر جا رہے ہیں، کیوں کہ آپ کا جہاز تھوڑی دیر کا مہمان ہے۔"

ڈاکٹر واجبی نے چونک کر پوچھا "یہ تمھیں کیسے معلوم ہوا؟"

چوہا بولا "ہمیں خطرے کا احساس ہو جاتا ہے۔ ہماری دُم میں سنسناہٹ ہونے لگتی ہے اور طبیعت میں عجیب طرح کی بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ آج صبح چھے بجے کے قریب میں ناشتا کر رہا تھا کہ اچانک میری دُم میں سنسناہٹ ہونے لگی۔ میں نے اپنی خالہ کو بتایا۔ اُس نے بھی یہی بتایا کہ اس کی دم میں سنسناہٹ ہو رہی ہے۔ تب اُس نے بتایا لگایا کہ یہ جہاز ڈوبنے والا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب "آپ ایک بہت نیک دِل انسان ہیں۔ ہر ایک کے ساتھ بھلائی سے ش آتے ہیں، اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ آپ کو آنے والے خطرے سے خبردار کر دوں۔ جہاز زیادہ سے زیادہ تین گھنٹے تک چلے گا پھر ڈوب جائے گا۔ اچھا خدا حافظ۔"

ڈاکٹر نے کہا "تمھاری اس مہربانی کا شکریہ۔ ڈبو، ڈبو۔ تم اِدھر آؤ اور چُپ چاپ یہاں لیٹ جاؤ۔ ان چوہوں کو تنگ مت کرنا۔"

ڈاکٹر واجبی اور اس کے ساتھی جزیرے کی سیر کو چلے۔ کسی نے بالٹی اُٹھا رکھی تھی، کسی نے کٹوری، ہر کوئی پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا۔

ڈاکٹر نے پوچھا "پتا نہیں یہ کون سا جزیرہ ہے؟ ویسے یہ جزیرہ ہے بہت خوب صورت اور یہاں پرندے بھی بے شمار ہیں۔"

بی بطخ بولی "اوہو، کیا آپ نہیں جانتے کہ یہ کینری کا جزیرہ ہے۔ وہ دیکھیے، اِدھر کتنے کینری توتے چہچہا رہے ہیں۔"

ڈاکٹر بولا "ہاں، ٹھیک ہی کہتی ہو۔ شاید یہ پرندے بتا سکیں کہ ہمیں پانی کہاں سے مل سکتا ہے؟"

جب کینری توتوں کو ڈاکٹر کے متعلق معلوم ہوا تو وہ خوشی سے چہچہانے لگے۔

وہ ڈاکٹر واجبی کو ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے پر لے گئے اور چراگاہوں اور میدانوں کی سیر کرائی۔ کھانے پینے کی چیزیں اور پھلوں سے لدے ہوئے پودے اور درخت دکھائے۔ دو رُخا گھوڑا بے حد خوش تھا۔ اسے مدت کے بعد تازہ سبز گھاس کھانے کو ملی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سب کھا پی کر گھاس پر لیٹ گئے۔ کینری توتے انھیں گیت سُنانے

سکے۔

اتنے میں دو ابابیلیں اُڑتی ہوئی آئیں اور بولیں، "ڈاکٹر، ڈاکٹر، غضب ہو گیا ہے۔ ڈاکوؤں نے آپ کے جہاز پر قبضہ کر لیا ہے۔ وہ جہاز کے گودام میں گھسے ہوئے ہیں اور تلاشی لے رہے ہیں۔ اُن کا جہاز ذرا فاصلے پر کھڑا ہے۔ اس میں اس وقت کوئی بھی موجود نہیں۔ آپ جلدی چلیں اور اُن کے جہاز پر قبضہ کر لیں۔"

ڈاکٹر واجبی خوش ہو کر بولا، "بہت خوب، بہت عمدہ خیال ہے۔"

اس نے اپنے جانوروں کو آواز دے کر اکھٹا کیا۔ کیری تو توں کو خدا حافظ کہا اور ساحل کی طرف دوڑا۔ جب وہ ساحل پر پہنچ گیا تو اس نے دیکھا کہ ڈاکوؤں کا جہاز سمندر میں کھڑا ہے اور جیسا کہ ابابیلوں نے اطلاع دی تھی، جہاز پر کوئی بھی موجود نہیں تھا، کیوں کہ سب ڈاکو ڈاکٹر واجبی کے جہاز کے گودام میں گھسے ہوئے چیزیں چرانے میں مصروف تھے۔ ڈاکٹر واجبی اور اس کے ساتھی بہت خاموشی سے ڈاکوؤں کے جہاز میں سوار ہو گئے۔

ڈاکوؤں کے جہاز میں

انھوں نے لنگر اُٹھایا اور بہت آہستگی سے جہاز کو کھاڑی سے باہر لے چلے۔ چپکے چپکے وہ جہاز کو ساحل سے نکال کر سمندر میں لے جا رہے تھے کہ اچانک ڈبو کو زبردست چھینک آگئی۔ وہ اتنے زور سے چھینکا کہ ڈاکوؤں تک آواز پہنچی۔ وہ دوڑتے ہوئے اوپر آئے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ڈاکٹر واجبی ان کے جہاز کو لے کر فرار ہوا جا رہا ہے تو وہ جہاز کو کھاڑی کے سرے پر لے گئے اور ناکہ بندی کر دی۔ ڈاکوؤں کے سردار ابو فنا نے ڈاکٹر کو مُکا دکھایا اور چیخ کر بولا، "ہاہا، تم پکڑے گئے۔ تم میرے جہاز میں فرار ہونا چاہتے تھے، لیکن دوست، ابو فنا کو دھوکا دینا آسان کام نہیں ہے۔ اب تم یہ بطخ میرے حوالے کر دو اور یہ گھوڑے جیسا الو کھا جانور بھی مجھے دے دو۔ میں انھیں بھون کر کھاؤں گا اور ہاں، اپنے دوستوں کو خط لکھ کر اشرفیوں کی ایک تھیلی منگوا لو، ورنہ یاد رکھو کہ میں تمھیں اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دوں گا۔"

بی بطخ تو رونے لگی، اِدھر دو رُخا گھوڑا بھی ڈر کے مارے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اُلو نے ڈاکٹر

واجبی کے کان میں سرگوشی کی؟ اسے باتوں میں لگائے رکھیے۔ اسے خوش اسلوبی سے سمجھا دیجیے کہ آپ اس کی باتوں پر عمل کریں گے۔ تھوڑی دیر میں ہمارا جہاز ڈوب جائے گا، کیوں کہ چوہوں کی اطلاع کبھی غلط نہیں ہوتی۔"

ڈاکٹر واجبی نے کہا، "میں آپ کی ہر بات پر عمل کروں گا، لیکن آپ ذرا دیر انتظار کیجیے۔ میں اپنے جانوروں کو لے کر خود ہی حاضر ہو جاؤں گا۔"

کتّا بولا، "آپ خواہ مخواہ ان اُچکّوں سے ڈرتے ہیں، انھیں ذرا یہاں آنے تو دیجیے۔ میں ایک ایک کی تکّا بوٹی کر دوں گا۔"

اُلّو فنا نے ڈاکٹر کی بات پر کوئی توجہ نہ دی، وہ جہاز کو آہستہ آہستہ ڈاکٹر کے جہاز کے قریب لانے لگا۔ سب ڈاکو قہقہے پر قہقہے لگا رہے تھے۔ ڈپّو کا غصّے سے بُرا حال ہو رہا تھا۔ وہ اُچھل اُچھل کر انھیں بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ دو رُخا گھوڑا دولتی جھاڑنے کے لیے بالکل تیار کھڑا تھا۔ اُلّو ایک آنکھ بند کیے سوچ رہا تھا کہ کس ڈاکو کے کہاں ٹھونگ مارنی مفید رہے گی۔

اچانک ڈاکوؤں کے جہاز میں کوئی ایسی بات رُونما ہوئی کہ ان کے قہقہے رُک گئے۔ وہ

ابُو فنا خوف زدہ ہو کر بولا "یہ تختے چرچرانے کی آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ ہُبل کی قسم اس جہاز میں تو پانی آ رہا ہے۔"

ہراساں ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

دوسرے ڈاکوؤں نے بھی دیکھا۔ واقعی جہاز آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوب رہا تھا۔

ایک ڈاکو نے کہا "اگر یہ پرانا جہاز ڈوبنے والا تھا، تو اس کے چوہے کہاں گئے؟ میں نے تو کسی چوہے کو جہاز چھوڑتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

ڈبو خوشی سے بھونک کر بولا "دوستو! چوہے اس جہاز میں کہاں رکھے ہیں؟ وہ تو دو گھنٹے پہلے ہی جہاز چھوڑ چکے ہیں۔ ہاہاہا۔"

وہ ڈاکو کتے کی بولی نہیں سمجھ سکے۔ تھوڑی دیر بعد جہاز کا اگلا حصہ سمندر میں غرق ہونے لگا۔ یوں لگتا تھا کہ جہاز اپنے پچھلے سرے پر کھڑا ہوا ہے۔ ڈاکو سہارا لینے کے لیے رسیوں، مستولوں اور بادبانوں سے چمٹے ہوئے تھے۔ سمندر کا پانی ایک گرجدار آواز کے ساتھ جہاز کے اندر داخل ہو گیا اور آخر جہاز ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ سمندر کی تہ میں چلا گیا۔ تمام ڈاکو سمندر میں غوطے کھانے لگے۔ کچھ ڈاکوؤں نے ساحل کا رخ کیا اور باقی ڈاکو تیرتے ہوئے جہاز کی طرف چلے۔

جوں ہی کوئی ڈاکو جہاز پر چڑھنے کی کوشش کرتا، ڈبو اسے کاٹنے کے لیے دوڑتا۔ بعد ازاں وہ جہاز کے ساتھ ساتھ تیرنے لگے۔

حیرت انگیز یاد داشت

مغربی جرمنی کے ایک ڈاکٹر جان گیلر کی یادداشت بہت حیرت انگیز تھی۔ ان کا دعوا تھا کہ جب وہ کوئی چیز پڑھ لیں تو وہ اسے کبھی نہیں بھولتے۔ اسی طرح جب وہ کسی شخص سے ملاقات کرتے تو پندرہ بیس سال گزرنے کے بعد بھی وہ اسے پہچان لیتے تھے، حتیٰ کہ وہ اس شخص کو یہ تک بتا دیتے تھے کہ انھوں نے اس سے کس تاریخ کو اور کس جگہ ملاقات کی تھی۔

مرسلہ: [illegible]